سیّد حیدر بخش حیدری

مختصر کہانیاں

مرتّبہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی

سلسلۂ مطبوعاتِ اُردو دُنیا نمبر

مختصر کہانیاں

مصنّفہ

سیّد حیدر بخش حیدری دہلوی

مرتبہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی، ایم۔اے۔ پی ایچ۔ ڈی،

اُستاد شعبۂ اُردو و ثقافتِ پاکستان

اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز

یونیورسٹی آف لندن

شائع کردہ

اُردو دُنیا

کراچی لاہور

مختصر کہانیاں

تصنیف: سید حیدر بخش حیدری دہلوی

ترتیب: ڈاکٹر عبادت بریلوی، ایم۔ اے۔، پی ایچ۔ ڈی۔؛

مقدمہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، ایم۔ اے۔، پی ایچ۔ ڈی۔؛

کتابت: عبدالحق اکبر آبادی

طباعت: اشرف پریس لاہور

نشر و اشاعت: اردو دنیا، آرام باغ روڈ کراچی۔ ۱

تعداد: ایک ہزار

قیمت: [illegible] روپے

سعادت یار خاں نے اشرف پریس لاہور میں چھپوا کر اردو دنیا، آرام باغ روڈ کراچی سے شائع کیا

مقدمہ

فورٹ ولیم کالج کے لکھنے والوں میں سید حیدر بخش حیدری بلاشبہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ہم عصروں کی طرح تالیف و ترجمہ کا کام ہی نہیں کیا ہے۔ طبع زاد کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ اُن کی تصانیف میں سب سے اہم وہ مختصر کہانیاں ہیں جن کو ابھی تک اشاعت کی منزل سے ہمکنار ہونا نصیب نہ ہوا۔ یہ کہانیاں نہ صرف اُردو کی آسان اور سادہ ادبی نثر کے اعلیٰ نمونے ہیں بلکہ مختصر افسانے کی فنی روایت میں بھی ان کا مرتبہ بہت بلند ہے اور اس اعتبار سے یہ کہانیاں حیدری کو نہ صرف ایک اعلیٰ درجے کا نثر نگار بلکہ اُردو مختصر افسانے کا اوّلین تخلیقی فن کار ثابت کرتی ہیں۔

سید حیدر بخش حیدری دِلّی کے رہنے والے تھے۔ اُن کے بزرگ نجف اشرف سے دلّی میں آئے اور اسی سرزمین کو اپنا وطن بنالیا۔ حیدری دلّی ہی میں پیدا ہوئے لیکن ابھی سنِ شعور کو بھی نہ پہنچے تھے کہ اُنھیں وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔ اُن کے والد سید ابوالحسن گردشِ روزگار سے پریشان ہو کر دلّی چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور انھیں ملازمت کے سلسلے میں لالہ سکھ دیو رائے کے ساتھ بنارس جانا پڑا۔ انھوں نے یہیں اقامت اختیار کرلی۔

اس لیے حیدری کا بچپن اور عنفوانِ شباب اسی سرزمین پر گذرا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب تذکرہ گلزار ابراہیم کے مؤلف نواب علی ابراہیم خاں خلیل بنارس میں عدالت کی ججی کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اُنھوں نے حیدری کے جوہرِ قابل کو پہچانا، اور اُن کی تعلیم و تربیت میں دلچسپی لی۔ خلیل نے انھیں قاضی عبدالرشید اور مولوی غلام حسین غازی پوری کے سپرد کیا، اور ان بزرگوں سے حیدری نے عربی، فارسی حدیث، فقہ اور تفسیر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ اٹھارویں صدی کی آخری تاریخوں میں وہ کلکتہ پہنچے، اور جب ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا اور ڈاکٹر گلکرسٹ وہاں اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے تو حیدری نے قصہ مہر و ماہ اردو میں لکھ کر اُن کو پیش کیا۔ ڈاکٹر گلکرسٹ اُن کی اس تالیف سے متاثر ہوئے اور اُن کے توسط سے انھیں فورٹ ولیم کالج میں ملازمت مل گئی۔ اُنھوں نے اپنا بیشتر ادبی کام اسی کالج میں کیا۔ ڈاکٹر گلکرسٹ نے ان کے کام سے گہری دلچسپی لی اور وہ انھیں کے ایما پر اپنی بیشتر کتابیں تالیف کرتے رہے۔ ۱۸۱۴ء میں وہ ملازمت سے سبک دوش ہو کر بنارس واپس آئے اور یہیں ۱۸۲۳ء میں اُن کا انتقال ہوا۔

سید محمد نے ارباب نثر اردو میں لکھا ہے —

"یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ فورٹ ولیم کالج میں کب تک ملازم رہے اور کس سنہ میں وہاں سے علیحدہ ہوئے۔ اتفاق سے تذکرہ ریاض الوفاق مؤلفہ ذوالفقار علی مست میں جو ۱۲۲۹ھ میں لکھا گیا اور جس میں کلکتہ اور بنارس کے فارسی گو شعرا کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ حیدری کے متعلق دو فقرے نظر آئے۔ مست کا بیان ہے کہ حیدری ۱۲۲۹ھ میں بنارس میں تھے اور وہ کچھ عرصے تک

فورٹ ولیم کالج میں منشی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر بخش ۱۲۲۹ھ سے بہت پہلے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہو چکے تھے اور اس کے بعد وہ بنارس چلے گئے جس کو انھوں نے اپنا وطن بنا لیا تھا۔ ان کی تاریخ وفات بھی صرف ایک زبانی بیان کی بنا پر ۱۸۲۳ء قرار دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے منشی غلام حیدر کی زبانی یہ روایت لکھی ہے کہ حیدر بخش نے سنہ مذکور میں وفات پائی۔ منشی غلام حیدر حیدر بخش کے دوست اور فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھے۔ چونکہ ان کے بیان کے علاوہ اور کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اس لئے اس وقت یہی سنہ قابل قبول ہے۔

حیدری نے اپنی غیر مطبوعہ تحریروں میں اپنے حالات کی جو تفصیل پیش کی ہے، اس سے ان کی شخصیت پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے ان کی ان تحریروں سے چند اقتباسات کا پیش کرنا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"احوال اس سید حیدر بخش حیدری شاہجہاں آبادی کا یہ ہے کہ جس وقت سید ابوالحسن والد اس فقیر نے دلی چھوڑی اور ہمراہی لالہ سکھ دیو رائے کی قبول کی تو بنارس میں تشریف لائے اور پیچھے دلی کے قصد اول سے بھلائے۔ اس وقت یہ ہیچ مداں نہایت خورد سال تھا لیکن زیر سایہ قبلہ وکعبہ کے آفات فلکی سے از بس کہ بے خطر تھا۔ اس سن میں بھی مشتاق اہل کمال تھا۔ چنانچہ کئی برس قبلہ گاہی نے ساتھ لالہ موصوف کے اوقات بخوبی بسر کی۔ اور اس فقیر کی بھی عمر حد بلوغیت کو پہنچی۔ اس عرصے میں امین الدولہ عزیز الملک نواب علی ابراہیم خاں بہادر مرحوم بہ موجب حکم نواب گورنر جنرل ہیسٹن صاحب بہادر جلالت جنگ کے حاکمی بنارس کی قبول کرکے ساتھ عزو وقار کے مسند عدالت پر بیٹھے تو قبلہ گاہی نے اس قدردان نجبا کی نوکری پر دل دیا۔ اور اس کمترین کو واسطے

تربیت اور خوشہ چینی کے اُس خرمنِ سخن کے سپرد کیا۔ چنانچہ اس فقیر کو خدمت گذاری قاضی عبدالرشید خاں صاحب دام اقبالہ کی پسند آئی اور شاگردی قبلہ و کعبہ کونین مولوی غلام حسین کی بھائی۔ بیت ؎

بہت سی میں نے یاں کی جبہ سائی　　　جب ایسی گفتگو یہ مجھ آئی

اور صحبت سے نخل بندِ چمنِ دوستی سید جمعیت علی رضوی کی بھی اس عندلیبِ ہیچداں نے موافق اپنی فہم کے بہت سی کیفیت اُٹھائی ہے۔ لیکن افسوس کہ گردشِ فلکی نے اس گلبنِ باغِ مرتضوی سے نصیب کی جدائی ہے۔

حاصل کلام اس گفتگو سے یہ ہے کہ خدمت گذاری سے بزرگوں کی اور فرمانبرداری سے دوستوں کی اس فقیر کو فرصت اتنی نہ ملی کہ جو کچھ واہیات بکا تھا اُسے جمع کرتا۔ اب شش ۱۲۱۶ھ عنایات و تفضلات سے صاحبانِ عالیشان والا خاندان مسٹر جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے ایک صورت اطمینان کی ہے، اور مفارقت میں یارانِ قدیم اور دوستانِ صمیم کی اوقات یوں ہی گذرتی ہے۔ اس واسطے چند قصے زبانِ ریختۂ ہندی میں موافق اُردوئے معلےٰ کے نثر کیے گئے۔ جیسے قصّہ حاتم طائی اور مہر و ماہ کا قصہ اور طوطی نامہ نخشبی اور قصۂ لیلیٰ مجنوں کہ جو حضرت امیر خسرو دہلوی، مرید حضرت نظام الدین اولیا نے اپنے خمسے میں لکھا ہے، لکھے گئے۔ اور چند اشعارِ پریشاں اور بکٹی مخمس و چند قطعے جو اس ہیچ مداں نے تصنیف کیے سو احاطۂ تحریر میں آئے۔"

دیباچہ گلدستۂ حیدری (غیر مطبوعہ)

حمد کرتا ہوں اُس بادشاہ قادر بے چون کی کہ جس نے اپنی قدرت کبریائی سے سلطان مہر و ماہ کو اوپر تخت فلک بے ستوں کے ساتھ ندیمان سیاروں کے جلوہ گر کیا

اور فیضانِ جمال بے مثال وحدانیت سے ہیزدہ ہزار عالم کو مخلوق کر کے اپنی عنایات

صمدیت سے خصوصاً خلقتِ انسان کو اشرف المخلوقات خطاب دیا۔ اور خلعتِ

انواع انواع حسن وجمال کے دے کر سرفراز کیا۔ اور جا بجا اپنے عشق کی عطا کر کے عاشق

ومعشوق نام رکھا۔ کیا خدا ہے جل جلالہٗ وعم نوالہ۔ اور نعت ہے اُس رسول مقبولِ ص

کی کہ جس کو اُس واحد ذوالجلال نے اپنے فضل وکرم سے افضل البشر وخاتم الانبیاء

کیا۔ اور اُس کے واسطے زمین وآسمان کو پیدا کر کے لولاک لما خلقت الافلاک

خطاب دیا۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اور مدح ہے اُس حیدرؓ شہسوار لافتا

ساقیٔ حوضِ کوثر کی کہ جو حامیٔ روزِ جزا ہے اور داماد مصطفےٰ ہے۔ اور مدح ہے

اُن گوہر دریائے رسالت کی کہ سرورِ سینۂ طہرائے اطہر ہیں اور شفیع روزِ محشر

صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہٖ واجمعین۔

پس اس سید حیدر بخش حیدری متخلص بہ حیدری شاہجہاں آبادی کو ۱۲۱۴ھ ہجری

میں یہ خبر فیض اثر پہنچی کہ صاحبانِ عالیشان گفتگوئے اُردوئے معلےٰ کو مرغوبِ طبع

رکھتے ہیں اور اہلِ سخن کو ازراہ قدردانی کے زیادہ بزرگی دیتے ہیں۔ خصوصاً

صاحبِ والامناقب عالی مقام صدر نشین محفلِ اہلِ کلام مسٹر جان گلگرسٹ صاحب

بہادر دام اقبالہٗ کہ جو بحرِ سخن وری وسخن دانی کے گوہر یکتائے جہاں ہیں، اور

موجدِ کلام شیریں سخنی کے سرچشمہ سخن وراں۔

بہ دل دریا بہ کف چوں ابرِ نیساں   جہاں ہے فیض سے جس کے دُر افشاں

نہ ہوں اُس کی شجاعت کے مقابل   اگر ہوں رستم وزال ونریماں

لکھوں اُس کی سخاوت کی جو تعریف   وہیں ہو صفحۂ کاغذ زرافشاں

ہے اُس کا نام نامی گلکرسٹ اب — جہاں ہے مہر جود اُس کے سے تاباں

دُعا مقبول ہو یہ حیدری کی

رہے دنیا میں خوش یارب وہ ہر آں

اس واسطے یہ دلِ مُضمحل اس قصۂ مہر و ماہ کو باغ فصاحت و بلاغت سے تیار کر کے واسطے نذر پُر نور اُس صاحب موصوف والا شان کے لایا ہے۔ یقین ہے کہ منظور نظر ہووے۔ اور اگر کہیں اُس کی عبارت میں نامربوطی الفاظ دکھائی دیوے تو اُس کی درستگی کے واسطے باغبان خامہ و زباں کو چشم تعلیم سے اشارت کی جاوے کہ جس کے سبب سے وہ اصلاح پاوے۔ بہ حق محمدؐ و آل محمدؐ۔ قطعہ ؎

مُنصفو! مُنصفی کی جا ہے یہ — میری محنت کی داد ٹک دیجیو

قصۂ مہر و ماہ کو میں نے — نثر کیوں کر کیا ہے دیکھو تو

قصۂ مہر و ماہ (غیر مطبوعہ)

"یہاں سے احوال یوں ہے کہ حضرت امیر خسرو دہلوی مُرید حضرت نظام الدین اولیاؒ کے کہ کئی کتابیں فارسی کی اُس حقیقت آگاہ نے تالیف کی ہیں۔ اور ایک مثنوی میں احوال لیلیٰ مجنوں کا جو لکھا ہے سو اُس کے مضمون کو ساتھ فصاحت و بلاغت کے ادا کیا ہے اور ہاتفی نے بھی اُس قصۂ دلچسپ کو اپنے خمسے میں بخوبی تمام نظم کیا اور عبارت فصیح سے اُس کے ہر ایک بیت معشوقہ کو زیور معنی پہنایا اور اس قصہ کو خواجہ یسین شاہجہان آبادی کہ شاعری میں یکتائے عصر ہیں، اور بالفعل مسندِ حیات پر جلوہ گر ہیں۔ بموجب فرمایش اظہر علی خاں مرحوم کہ مسٹر چیمبرز صاحب نے حکیم موصوف سے درخواست اس قصے کی نظم ہندی میں کی تھی، خواجہ ممدوح نے زبان ریختہ ہندی میں حقیقت اُس کی سابق سلطنت

شاہ عالم بادشاہ غازی کے بوجہ احسن بہ طور مثنوی لکھی۔ اب ۱۲۱۵ھ بارہ سو پندرہ ہجری مطابق ۱۸۰۱ء اٹھارہ سو ایک عیسوی کہ سنہ ۴۳ تینتالیسواں جلوس بادشاہ موصوف سے ہے جناب صاحبِ عالیشان، پشت پناہ سخن سنجاں، بحرِ ہمت، گوہرِ مروت، کوہِ حشمت، مخزنِ سخاوت، اعلیٰ دودمان، جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ نے اس سید حیدر بخش متخلص بہ حیدری دہلوی خوشہ چیں خرمنِ علم کو بمن مولوی غلام حسین غازی پوری مولوی عدالت نواب علی ابراہیم خاں بہادر مرحوم حاکم بنارس کو فرمایا کہ تو اس قصۂ پرسوز ہندی کو بیچ زبانِ ریختہ اردوئے معلیٰ کے ساتھ فصاحت شیریں سخنی کے نثر کر اور احاطۂ تحریر میں لا، کیونکہ عبارت سلیس مفید ہے۔ اُن صاحبوں کو کہ جو بالفعل اس گفتگو سے واقف نہیں۔ اُن کی درستگی زبان کے واسطے بہتر اس نثرِ سلیس سے اور کوئی عبارت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ اس کمترین ہیچ مداں نے موافق اپنی طبع کے زبانِ محاورہ اردوئے معلیٰ کے قصۂ نظمِ ہندی میں نثر کیا۔ اور ہر ایک صاحبِ سخن سے سوال رکھتا ہے کہ جو کوئی اس ترجمے کو بچشم فیض اثر سے دیکھے۔ اور کچھ نامربوطی الفاظ کی دکھلائی دے تو لازم ہے کہ وہ اپنی دستگیری قلم غلط بر دار سے اُس حرفِ افتادہ کو صفحۂ غلط سے اُٹھائے اور اجر اس کا اُس کو دونوں جہان میں خدا دے ؎

کمیتِ خامہ کو میں نے اُٹھا کر کیا ہے صفحۂ مضموں پہ جولاں
لکھا ہے قصۂ لیلیٰ و مجنوں سنو ٹک گوشِ دل سے نکتہ سنجاں

(قصۂ لیلیٰ مجنوں (غیر مطبوعہ))

اِن بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سید حیدر بخش حیدری نے بنارس میں ہوش سنبھالا اور نواب علی ابراہیم خان خلیل، مولوی غلام حسین، قاضی عبدالرشید خاں اور سید جمعیت علی رضوی

کے زیرِ سایہ اُن کے ادبی ذوق کی نشو و نما ہوئی۔ اُن کی ادبی زندگی کا آغاز فورٹ ولیم کالج سے ہوا اور ڈاکٹر گلکرسٹ کی شخصیت اس کام میں ہمیشہ اُن کی معاون رہی۔ اُنھوں نے اپنا بیشتر ادبی کام انھیں کی فرمائش پر کیا۔ اپنی تصانیفِ نثر کے علاوہ نظم میں بھی اُنھوں نے ڈاکٹر گلکرسٹ کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل قطعہ اُن کی تعریف میں لکھا ہے ؎

گلکرسٹ صاحب وہ ہے عادل زماں — خوشہ چیں ہو اُس کا اب نوشیرواں
کیوں نہ وہ حاکم ہو ہفت اقلیم کا — چاکری کرتا ہے جس کی آسماں
خامہ ہو جاوے وہیں زریں رقم — گر لکھوں اُس کی سخاوت کا بیاں
زیرِ دست اُس کے ہوا انبارِ طلا — گر ہوا اک ذرہ کسی پر مہرباں
کھل گئے اُس کی نسیمِ خلق سے — غنچۂ امید دل ہائے جہاں

ایک نگاہ لطف اُس کی حیدری
تجھ کو مستغنی کرے گی بے گماں

دیوانِ حیدری (غیر مطبوعہ)

حیدری کی سب سے پہلی تالیف قصۂ مہر و ماہ ہے جس کو انھوں نے ۱۲۱۴ھ/ ۱۸۰۰ء میں مکمل کیا اور ڈاکٹر گلکرسٹ کے سامنے پیش کر کے فورٹ ولیم کالج میں ملازمت حاصل کی۔ اُن کی دوسری کتاب لیلیٰ مجنوں ہے جس کو انھوں نے ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۰ء میں لکھا۔ یہ حضرت امیر خسروؔ کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کا اُردو ترجمہ ہے۔ ان دونوں کے بارے میں ایک عام خیال یہ تھا کہ یہ ضائع ہو گئی ہیں اور ان کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوتا لیکن ان کے قلمی نسخے مجھے آکسفورڈ میں ملے اور اب انشاء اللہ یہ جلد شائع ہوں گی۔

اِن کے علاوہ طوطا کہانی، آرائشِ محفل، تاریخ نادری، گلِ مغفرت اور گلزارِ دانش

بھی اُن کی مشہور کتابیں ہیں۔

طوطا کہانی محمد قادری کی فارسی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے۔ جس کا ماخذ طوطی نامہ ضیاء الدین نخشبی ہے۔ یہ کتاب انھوں نے ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء میں لکھی چنانچہ انھوں نے اس کے دیباچہ میں خود لکھا ہے۔

"بموجب فرمائش صاحب موصوف (ڈاکٹر گلکرسٹ) کے محمد قادری کے طوطی نامہ کا جس کا ماخذ طوطی نامہ ضیاء الدین نخشبی ہے زبان ہندی میں موافق محاورہ اردوئے معلّیٰ کے عبارت سلیس و خوب، الفاظ رنگین و مرغوب میں ترجمہ کیا اور نام اس کا طوطا کہانی رکھا۔"

یہ کتاب سنہ ۱۸۰۱ عیسوی میں فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوئی اور پھر بار بار چھپی۔ ڈاکٹر ڈنکن فوربس نے لندن سے بھی ۱۸۵۲ء میں اس کو شائع کیا۔ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے۔

"آرائش محفل" میں حیدری نے حاتم طائی کی داستان کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب بھی ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر فارسی سے اُردو میں منتقل کی گئی۔ لیکن یہ فارسی کی داستان سے کسی قدر مختلف ہے۔ کیونکہ حیدری نے اس میں اضافے بھی کیے ہیں۔ دیباچہ میں انھوں نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"سنہ ۱۸۰۱ء کے موافق اور سنِ جلوس پینتالیس شاہ عالم بادشاہ غازی کے مطابق، زبانِ ریختہ میں اپنی طبع کے موافق اس کتاب سے جو ہاتھ لگی تھی ترجمہ نثر میں کیا اور اُس کا نام آرائشِ محفل رکھا۔ مگر اس میں اپنی طبیعت سے جہاں جہاں اور مناسب پایا، وہاں زیادتیاں کیں تاکہ قصّہ طولانی ہو جائے اور سننے والوں کو خوش آئے۔"

یہ کتاب بھی فورٹ ولیم کالج سے ۱۸۰۵ء میں شائع کی گئی اور پھر مختلف مقامات سے اس کے متعدد ایڈیشن چھپ کر شائع ہوتے رہے۔

تاریخ جہاں کشائے نادری کو بھی حیدری نے اردو میں منتقل کیا اور اس کا نام تاریخِ نادری رکھا۔ فارسی کتاب کے مؤلف مرزا محمد مہدی استرآبادی ہیں اور انھوں نے اس میں نادر شاہ کے حالات بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کو حیدری نے ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء میں مکمل کیا۔ اس کا ابھی تک کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔ غالباً یہ شائع نہیں ہوئی۔

گلِ مغفرت ملا حسین واعظ کاشفی کی کتاب روضۃ الشہداء کا اردو خلاصہ ہے۔ اس میں شہدائے کربلا کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ حیدری نے یہ کتاب فورٹ ولیم کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد مولوی سید حسین علی جون پوری کی فرمائش پر ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء میں لکھی۔ دیباچے میں لکھتے ہیں :-

صاحبانِ درد و غم و مبتلایانِ رنج و الم پر ظاہر و ہویدا ہووے کہ اس حیدر بخش حیدری کی کتاب گلشنِ شہیداں ہے جس کو پہلے روضۃ الشہداء سے زبانِ ریختہ میں ترجمہ کر چکا تھا۔ اب شہر محرم الحرام کی بیسویں تاریخ سن بارہ سو ستائیس ۱۲۲۷ ہجری میں جنابِ فیض مآب گلِ گلزارِ معانی، شمعِ بزمِ نکتہ دانی، بحرِ سیادت و امانت، سروِ جویبار گلشنِ شرافت و نجابت مولوی سید حسین علی صاحب جون پوری زاد الطافہ، کے ارشاد کرنے سے جن کی خدمتِ فیض درجت میں اس ہیچ مداں کو ایک رسوخِ دلی و نیاز باطنی ہے۔ اس نسخہ دہ مجلس کو انتخاب کیا اور نام اس کا گلِ مغفرت رکھا۔ اس لئے کہ ہر ایک خاص و عام کی نظرِ اشرف سے گذرے۔ بحق محمد و آلہ الامجاد "

گلِ مغفرت ۱۸۱۲ء میں کلکتے سے شائع ہوئی۔ انگریزی اور فرانسیسی میں اس کے ترجمے بھی چھپے۔

اس کے تقریباً تمام مطبوعہ نسخے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لندن کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

گلزارِ دانش: شیخ عنایت اللہ کی فارسی کتاب بہارِ دانش کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کا کوئی قلمی یا مطبوعہ نسخہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کو حیدری نے کس سنہ میں لکھا اور یہ کب شائع ہوئی۔

ان کتابوں کے علاوہ سید حیدر بخش حیدری کی مختلف غیر مطبوعہ تحریروں کے دو قلمی نسخے برٹش میوزیم لندن اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آکسفورڈ کے کتب خانوں میں ہیں جن میں اُن کی چھوٹی بڑی کہانیوں کے علاوہ غزلوں کا دیوان اور شعرائے اُردو کا ایک تذکرہ شامل ہے۔ یہ مجموعہ اُنھوں نے فورٹ ولیم کالج میں آنے کے بعد میر بہادر علی حسینی کی دستگیری سے مرتب کیا۔ چنانچہ اس کے اختتامیہ میں لکھتے ہیں :۔

"اور یہ جلد دو چار جزکی جو کلام واہیات سے تیار ہوئی سو دستگیری سے منشی میر بہادر علی صاحب قبلہ دام اقبالہٗ کی کہ وہ دستگیر درماندگان اور حامیٔ بےکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ دُنیا میں خوش و خرم رکھے اور مشکل کشائی اس کی مشکل کشا کرے!۔ بحق محمد و آلہٖ الامجاد۔

اس کا نام اُنھوں نے گلدستۂ حیدری رکھا۔ چنانچہ دیباچے میں اپنے حالات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"حاصل کلام اس گفتگو سے یہ ہے کہ خدمت گزاری سے بزرگوں کی اور فرمانبرداری یہ دوستوں کی اس فقیر کو فرصت اتنی نہ ملی کہ جو کچھ واہیات بکا تھا اسے جمع کرتا

آپ بارہ سو پندرہ ہجری میں عنایات و تفضلات سے صاحبان عالی شان والا خاندان

مسٹر جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہٗ کی ایک صورت اطمینان کی ہے۔ اور مفارقت میں یارانِ قدیم اور دوستانِ صمیم کی اوقات یوں ہی گزرتی ہے اس واسطے چند قصے زبانِ ریختہ ہندی میں موافق از روئے معنٰی آتے نثر کئے گئے، جیسے قصہ حاتم طائی، اور مہر و ماہ کا قصہ اور طوطی نامہ بخشی اور قصہ لیلےٰ مجنوں کہ جو حضرت امیر خسرو دہلوی مرید حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنے خمسے میں لکھا ہے، لکھے گئے ــــ اور اس مجموعۂ بے سررشتہ و بے محاورہ کو جو اس بے سروپا نے جمع کیا ہے، نام اس اوراقِ پریشاں کا گلدستۂ حیدری رکھا۔

ان دونوں نسخوں میں مجھے حیدری کی ایک سو اسی مختصر کہانیاں ملیں۔ ان مختصر کہانیوں کو پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ نہ صرف اردو کی ادبی نثر کا اعلیٰ نمونہ ہیں بلکہ مختصر افسانے کی فنی روایت میں بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ ان میں مختصر افسانے کے فن کی جھلکیاں واضح طور پر نظر آتی ہیں ــــ ان کے موضوعات زندگی کے عام معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب کسی نہ کسی بنیادی خیال کے گرد گھومتی ہیں۔ ان میں سے اکثر میں وحدتِ تاثر کا پہلو بھی اپنی جھلک دکھاتا ہے ــــ تہہ داری اور رمز و ایما کی خصوصیت بھی ان میں سے اکثر میں موجود ہے ــــ ان کا مواد آس پاس اور گرد و پیش کی زندگی سے حاصل کیا گیا ہے اسی لئے ان میں زندگی کے جذباتی اور ذہنی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل فن کے سانچے میں ڈھلتے ہوئے نظر آتے ہیں ــــ اور یہی ان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

میں نے ان مختصر کہانیوں کو ان کی ادبی اہمیت اور فنی قدر و قیمت کے پیش نظر مرتب کیا اور اب یہ شائع کی جا رہی ہیں۔ ان میں بعض کہانیاں فحش ہونے کی وجہ سے مذاقِ لطیف پر گراں گزرتی تھیں۔ میں نے ایسی کہانیوں کو اس مجموعے سے خارج کر دیا ہے۔ اصل متن میں کوئی

تبدیلی نہیں کی ہے۔ سوائے اس کے کہ پیراگراف بنا دیئے ہیں اور مکالموں کی وضاحت کر دی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ حیدرؔی کی یہ مختصر کہانیاں جو اس وقت شائع کی جا رہی ہیں، نہ صرف اُردو ادب کے طالب علموں، نثرِ اُردو کے پرستاروں، فنِ افسانہ نگاری کے شیدائیوں بلکہ عام پڑھنے والوں کے لئے بھی دلچسپی کا سامان فراہم کریں گی۔

عبادت

شعبۂ اُردو و ثقافتِ پاکستان

اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز

یونیورسٹی آف لندن

۲۵ر جولائی ۱۹۶۲ء

۱

سبحان اللہ! جناب الٰہی نے ایک دن یہ حکم کیا کہ "اے بندگانِ خدا! تم سب معلوم کرو کہ میں ایک ایسا خلیفہ پیدا کروں گا کہ وہ سب پر فخر لے جائے گا۔"

ملائکوں نے جانا کہ شاید وہ شخص ہم سے پیدا ہوگا، کیونکہ ہم نوری ہیں اور عرش و کرسی نے معلوم کیا کہ شاید وہ ہم سے ہوگا کہ ہم اس قدر بلندی رکھتے ہیں۔

غرض اس طرح سے جمادات و نباتات نے گمان کیا مگر یہ زمین نہ سر کھلی نہ منہ بولی کیونکہ اپنے تئیں ہر ایک سے ناچیز سمجھتی تھی کہ میں کیا ہوں اور رُتبہ میرا کیا ہے؟

جناب الٰہی کو اس کی خاکساری پر رحم آیا اور فرمایا کہ "اے سرنگوں! تو کیوں چپکی ہے۔ تو بھی کچھ کہہ!"

اس نے عرض کی کہ "الٰہی! تو خوب جانتا ہے تو ایسا گوہر پاک تو کب مجھ بے آبرو سے پیدا کرے گا۔ میں کیا کہوں؟"

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ "ہم تجھی سے پیدا کریں گے۔ اور فرشتے کہتے تھے کہ اگر وہ خاک سے پیدا ہوگا تو ہم سے کب شرف لے جائے گا کیونکہ ہم نوری ہیں اور اس سے جو پیدا

ہوں گے تو اُن سے بہت گناہ صادر ہوں گے۔"

زمین نے یہ دریافت کر کے کہا کہ "اے باری تعالیٰ! تو مجھ سے اُس کو نہ پیدا کر نہیں تو میں خواہ نخواہ شامل حال گناہ ہوں گی۔"

غرض حضرت آدمؑ کو اللہ نے خاک سے پیدا کیا اور مرتبہ نوری سے بھی زیادہ بخشا اور ہر ایک زبان پر قادر کیا۔

چنانچہ فرشتے حضرت آدمؑ سے کچھ کہتے تو وہ جواب انہیں کی بولی میں بخوبی دیتے۔ اور جو یہ کچھ اُن سے پوچھتے تو وہ جواب تو کیا دیتے بلکہ اُن کی زبان بھی نہ سمجھ سکتے۔

اور وہ ہر ایک مخلوق کی بولی سے واقف تھے۔ اسی سبب سے سب پر شرف رکھتے تھے۔

٣

سُنا ہے کہ جس روز حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکلے اور فرشتوں نے عرض کی کہ "یا حضرت آدم علیہ السلام! یہ کیا آپ نے بہشت سا مکان دو دانوں پر گیہوں کے بیچا؟"

حضرت آدمؑ نے فرمایا کہ کچھ اندیشہ نہیں۔ ہماری اولادوں میں سے ایک شخص ایسا پیدا ہوگا کہ وہ جَو کے دو دانوں پر اُسے مول لے گا۔"

۳

ایک عورت ضعیفہ نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ "یا پیغمبر آخرالزماں! میرے حق میں دعا دو کہ مجھے بہشت ملے۔"

جناب علیہ الصلوات والسلام نے بہ طورِ ہنسی کے فرمایا کہ ضعیفوں کو جنت سے کیا؟"

یہ سخن جناب نبوی سے سنتے ہی گھبرا گئی، اور عالمِ یاس میں آکر بے اختیار رونے لگی۔

حضرت رحمت العالمین کو اس کے رونے پر رحم آیا اور یوں ارشاد کیا کہ حق تعالیٰ تجھ کو جوان کرے گا اور بہشت میں رہنے کو مکان دے گا۔"

۴

سُنا ہے کہ ایک دن سیّد المرسلین صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا[1] السلام سے فرمایا کہ "یا فاطمہ! تم کو جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام کے گھر میں کسی نوع کی تکلیف تو نہیں؟"

جناب خاتونِ قیامت نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! نہیں! مگر یہ زمین شب کو آتی ہے اور کچھ کچھ احوال عرض کرتی ہے۔"

حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ یا سیدۃ النسا! جناب الٰہی نے اُس سے کہا ہے کہ تو اپنی واردات ہر روز جناب علی علیہ السلام سے کہہ دیا کر، وہ بہ موجب حکم تعالیٰ کے آتی ہے اور اپنی سرگزشت روزمرے کی عرض کرتی ہے۔"

یہ سخن سُن کر حضرتِ فاطمہ خوش ہوئیں اور سجدۂ شکر بجالائیں!

---

[1] علیہا السلام

۵

سُنا ہے کہ ایک عورت ضعیفہ نے جناب امیر علیہ السلام سے عرض کی کہ "یا امیر المومنین!
میں خود نانِ شب کو محتاج ہوں۔ اتنی دولت کہاں سے لاؤں کہ لڑکی کی شادی کروں"
حضرت امیر نے فرمایا کہ "تو مجھے یہاں سے لے چل اور فلانے بادشاہ کے ہاتھ جتنے کو
تیرا جی چاہے اُتنے کو بیچ، اور لڑکی کی کدخدائی کرکہ وہ اکثر بندے خریدتا ہے اور مجھ سے
عداوت بھی رکھتا ہے۔"

غرض وہ پیرزال جناب امیرؑ کو بہ طور غلاموں کے لے گئی اور اُس بادشاہ سے
عرض کرنے لگی کہ "اے بادشاہ! یہ میرا غلام ہے۔ اگر تیرا جی چاہے تو چالیس ہزار دینار
مجھے دے کر اسے مول لے۔"

بادشاہ نے کہا کہ "اے پیرزال! ایسی اس میں کون سی بزرگی ہے جو تو چالیس ہزار
دینار قیمت کرتی ہے؟"

اُس نے کہا کہ "اے شاہ! جو کام کسی امیر سے نہ ہوگا سو یہ غلام کرے گا۔"

یہ بات سُن کر بادشاہ خوش ہوا اور چالیس ہزار دینار پر جناب مرتضوی علیہ السلام

کو مول لے کر بندوں میں داخل کیا۔

بعد دو چار دن کے اُس اطراف شہر میں ایک اژدہا پیدا ہوا اور خلقت کو اذیت دینے لگا۔

یہ خبر سُن کر بادشاہ نے جناب امیر علیہ السلام سے کہا کہ "تم جاؤ اس موذی کو دفع کرو!"

حضرت امیر گئے۔ اس کو مار کر چالیس چھکڑوں پر لدوا لائے۔

بادشاہ نہایت خوش ہوا اور حضرت علیہ السلام کو قریب رکھنے لگا۔

بعد تھوڑے دنوں کے اس نواح میں ایک شیر نکلا اور ایک خلق کو دُکھ دینے لگا۔

جسے پاتا تھا اسے پھاڑ چیر ڈالتا تھا۔

بادشاہ نے پھر حضرت کو کہا کہ "تم مردِ شجاع ہو۔ اس بَلا کو بھی ٹالو!"

چنانچہ حضرت امیرؑ گئے اور اُسے بھی جیتا پکڑ لائے۔

بادشاہ اور بھی خوش ہوا بلکہ قوتِ یداللّٰہی پر عش عش کرنے لگا۔

ماحصل کلام ایک دن اُس نے جنابِ مرتضوی سے کہا کہ "میں نے یوں سُنا ہے کہ علیؑ نامی ایک شخص مدینے میں نہایت زور آور ہے۔ اگر تم اُس کو میرے سامنے باندھ کر لاؤ تو میں تم سے بہت خوش ہوں گا اور زرِ بے شمار دے کر آزاد کردوں گا۔"

یہ بات سُنتے ہی حضرت علی مرتضیٰؑ اُٹھے اور اپنے ہاتھ باندھ کر اُس کے آگے سر جھکا کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ "وہ علیؑ یہی ہے۔ اب اسے چاہے مار چاہے چھوڑ!"

یہ جرأت مرتضویؑ دیکھ کر وہ تھرتھرانے لگا اور تخت چھوڑ کر قدموں پر گر پڑا اور آزاد کر کے بندوں میں داخل ہوا۔

۶

سُنا ہے کہ ایک دن جناب حسنین کسی مسجد میں بیٹھے تھے اور تہیۂ نماز کا کئے تھے کہ اتنے میں ایک مردِ پیر آیا اور وضو غلط کرنے لگا۔

حضرت امام حسینؓ چاہتے تھے کہ منع کریں کہ حضرت امام حسنؓ نے اشارہ کیا کہ اگر یوں کہو گے تو اُس کے دل کو شکستگی پہنچے گی اور شرمندگی حاصل ہوگی۔

حضرت امام حسینؓ چپ ہوئے۔ تب حضرت امام حسنؓ کہنے لگے کہ "اے مردِ پیر! ہم دونوں بھائیوں میں تکرارِ وضو ہے۔ اس واسطے تجھ کو مُنصف کرتے ہیں۔ جو وضو درست کرے تو سچ کہہ دے!"

یہ کہہ دونوں صاحب زادوں نے وضو کیا۔ چنانچہ سرِ مو طرفین کے وضو میں فرق نہ پڑا۔ تب تو وہ شرمندہ ہو کر قدموں پہ گر پڑا اور کہنے لگا کہ "یا جناب حسنینؓ! یہ غلطی میری تھی جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی میں نے یوں ہی وضو کرتے دیکھا تھا۔ اب جب تک جیتا رہوں گا تب تک ایسی سہو نہ کروں گا۔"

۷

سُنا ہے کہ ایک دن کسی شخص نے جناب حضرت زین العابدینؑ سے عرض کی کہ "یا امامِ زمانؑ!
میں جب آپ کو نماز پڑھتے دیکھتا ہوں تب آپ کے بدن کو کانپتے دیکھتا ہوں یہ کیا سبب ہے؟"
یہ بات سُن کر حضرت علیہ السلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ "اے سائل!
میں جب نیت باندھتا ہوں اپنے معبود کو سامنے دیکھتا ہوں۔ تاب کھڑے رہنے کی نہیں پاتا
ہوں۔ اس واسطے تھرتھراتا ہوں۔"

۸

سُنا ہے کہ ایک دن حضرت امام باقر علیہ السلام نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے عرض کی کہ "یا امام علیہ السلام! تم کو جو ہر وقت رونے سے سروکار ہے تو اس غم سے ہر ایک اہل محلہ چشم زار ہے جس سے ایک وقت گریہ زاری کا مقرر کیجئے تا ان کو بھی آرام ہو۔"

یہ بات سُنتے ہی حضرت اور بھی چشم پر آب ہو کے فرمانے لگے کہ "اے نور چشم! اگر تو بھی معرکۂ کرب و بلا میں ہوتا تو تشنگی اور گرسنگی حسینؑ کی معلوم کرتا کہ جو جو رنج اس جگر گوشۂ مصطفویؐ اور رزود مانِ خانہ مرتضویؑ نے مع اقربا اُٹھائے ہیں۔ چنانچہ ایک دن کی نقل ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ علیہ السلام کے سو دُنبے ایک چرواہا تمام دن چرانا تھا اور ان کو پانی پلا کر اُن کے گھر شام کو پہنچا دیتا تھا قضا کار ایک دن وہ دنبے کسی دشت میں جا نکلے اور گھاس کے چرنے سے اور پانی کے پینے سے باز رہے۔ ہر چند اس چرواہے نے جستجو کی کہ یہ کیا سبب جو یہ پانی نہیں پیتے اور گھانس نہیں کھاتے۔ پر دریافت نہیں کیا۔

آخر کار اُس نے جا کر حضرت اسمٰعیلؑ سے عرض کی کہ حضرت! آپ کے دُنبے کوئی دم میں بے آب و دانہ مرتے ہیں۔ یہ خبر سُنتے ہی حضرت اسمٰعیلؑ متفکر ہوئے کہ اتنے میں حضرت جبرئیل یہ

پیام جناب الٰہی سے لائے کہ یا حضرت اسمٰعیلؑ! دنبوں کے نہ کھانے پینے کا یہ سبب ہے کہ وہ آج اس دشت میں گئے تھے کہ جہاں جناب مصطفےٰؐ کا جگر گوشہ اور جناب فاطمہ علیہا السلام[1] کا راحتِ جاں مع خویش و تبار کے بے آب و دانہ قتل ہوگا اور اُمّت کو بخشوا دے گا۔ اُس مصیبت حسینؑ کو دریافت کر کے کُڑھتے ہیں جو دانے پانی سے باز رہے۔"

یہ کہہ کر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے یہاں تک رقّت کی کہ حضرت امام باقر علیہ السلام کو بھی ہچکی لگی۔

---

[1] علیہا السلام

۹

سُنا ہے کہ ایک گبر نے جناب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ تم امامِ زماں ہو۔ یا کچھ اپنا معجزہ دکھلاؤ یا میرا کمال دیکھو!"

حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ "تو ہی اپنا کمال دکھلا!

یہ سُنتے ہی وہ مراقبے میں گیا اور ایک انارِ بہشتی جو دیوارِ بہشت سے لٹکتا تھا سو توڑ لایا۔

حضرت نے اس انار کو پہچانا اور یوں فرمایا کہ یہ مرتبہ تو نے کہاں سے پایا؟"

اُس نے عرض کی کہ یہ بزرگی مجھے نفس کشی سے ملی یعنی جو دل چاہتا ہے سو نہیں کرتا۔"

یہ سخن سُن کر حضرتؑ مُسکرائے اور فرمانے لگے کہ "تیرا دل کبھی مسلمان ہونے کو چاہتا ہے؟"

اُس نے عرض کی کہ "نہیں!

حضرتؑ نے فرمایا کہ "بہت بہتر تو مسلمان ہو۔ خلاف دل کے عمل میں لا کہ سب سے بڑا سبب یہی ہے نفس کشی کا۔"

غرض ارشادِ حضرتؑ نے اس کے دل میں اثر کیا کہ وہ مسلمان ہوا۔

۱۰

سنا ہے کہ ایک دن ہارون رشید نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ایک رکابی سرگیس کی بطور انجیر کے بھیجی۔ مدعا اُس کا یہ تھا کہ حضرت کو زحمت دیتا۔

جس وقت وہ رکابی حضرت علیہ السلام نے ہاتھ میں لی اور خوان[۱] پوش اُس کا اُٹھا کر دیکھا تو ہر ایک سرگیس کو انجیر پاک پایا۔ حضرت علیہ السلام نے وہ انجیر دو تین آپ کھائے اور پانچ سات اُس لے جانے والے کو کھلائے۔ اور دس بارہ اُسے بھیجے۔ جس وقت وہ رکابی اُس کے پاس گئی، اور اُس نے جو اُس کا سرپوش اُٹھا کر دیکھا تو اُس نے بھی سرگیس کو انجیر ہی پایا۔ جوں ہی اُس نے ایک انجیر اپنے منہ میں ڈالا ویسے وہ انجیر اپنی اصل پہ آیا بلکہ اُس سرگیں سے بھی بدتر ہوا تب اُس نے معجزہ امام سے دہشت کی اور اپنے افعال سے شرمندگی کھینچی۔

---

[۱] خوان پوش

۱۱

سنا ہے کہ ماموں نے اپنی خلافت میں جس سال جناب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ولی عہد کیا۔ اُسی سال پانی نہ برسا کتنے گمراہوں نے آپس میں چرچا کیا کہ جس روز سے امام رضا علیہ السلام کو نائب گردانا ہے اُسی روز سے پانی کا برسنا موقوف ہوا ہے۔ یہ انھیں کی نحوست کا سبب ہے۔

یہ سخن ماموں نے سُن کر جناب حضرت علیہ السلام سے کہا کہ "یا امام زماں! تم دعا مانگو کہ پانی برسے تاکہ زبانِ دشمنان بند ہووے۔"

یہ بات حضرت نے قبول کی۔ ایک صحرا میں بعد حمد و نعت جناب الٰہی میں یوں دعا کی کہ "اے خدائے کریم! اپنے ابرِ کرم سے پانی برسا اور کشتِ نا امیداں سرسبز کر!"

حضرت تو دعا میں مشغول تھے اور ہزاروں ہی کھڑے تماشا دیکھتے تھے۔ اور جناب امام علیہ السلام بار بار یوں ارشاد کرتے تھے کہ "اے خالقِ زمین و آسمان! اُس وقت پانی برسے کہ جس وقت یہ سب اپنے اپنے گھر پہنچیں تاکہ تکلیف نہ پاویں۔"

کہ اتنے میں ایک ہوا چلی کہ ابر گھر آیا، بجلی چمکنے لگی۔

تب تو ہر ایک گھبرایا اور قصد گھر کا کیا۔

تب حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ "یہ ابر تمہارے لئے نہیں ہے۔ یہ فلانے شہر پر جاتا ہے۔ تم مت گھبراؤ"

چنانچہ وہ گیا۔ ایک ابر پھر اسی صورت سے آیا۔ اُن کی پھر وہی حالت ہوئی۔ حضرت نے پھر وہیں فرمایا کہ "یہ اُس مُلک کو جاتا ہے تم کیوں حیران ہوتے ہو؟"

غرض اسی طرح سے دس بار ابر آیا اور گیا۔ اور اسی طرح ہر ایک کو فرما کر تسلی دیتے رہے۔ جب گیارواں ابر آیا تب حضرت نے ارشاد کیا کہ "تمہارے واسطے رحمتِ الٰہی سے نازل ہوا ہے۔ جلد اپنے اپنے گھر کی راہ لو۔ جب تم سب اپنے اپنے مکان پر پہنچو گے تب اس سے سرسبز ہو گے"

آخر کار وہ اپنے اپنے گھر گئے۔ اور پانی برسنے لگا۔ یہاں تک وہ ابر برسا کہ ہر ایک نالے کھوے دریا ہو کر بہنے لگے۔ اور جس نے جتنا جہاں چاہا تھا اتنا وہاں پایا۔

حاصل کلام اس معجزے سے وہ ہر ایک قائل ہوا اور ایمان لایا۔

سبحان اللہ کیا امام ہے!

۱۲

سُنا ہے کہ ایک دن حضرت امام نقی علیہ الصلوٰت والسلام دو چار لڑکوں سے حالتِ طفلی میں برسرِ راہ کھیلتے تھے کہ اتنے میں ہارون رشید کی سواری نکلی۔ لڑکے اُس کی سواری کی دھوم سے سب کے سب بھاگ گئے اور حضرت وہیں کھڑے رہے۔

ہارون رشید نے پوچھا کہ "تم کیوں نہ بھاگے؟ یہ کیا باعث ہے؟"

حضرت نے فرمایا کہ "میں نے کچھ سبب بھاگنے کا نہ پایا۔ اس واسطے کھڑا رہا۔ کیونکہ نہ رستہ تنگ دیکھا۔ نہ کچھ تیرا گناہ کیا۔"

غرض وہ وہاں سے چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں شکار کھیل کر پھر آیا تو حضرت کو وہیں پایا۔

تب تو گھوڑے سے اُتر کر پوچھنے لگا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ ارشاد کرو!

حضرت نے فرمایا کہ "بعضے بعضے بادشاہ شکار کھیلنے جاتے ہیں۔ جب وہاں سے پھرتے ہیں، تب اُس مچھلی کو ہاتھ میں لے کر معجزۂ آلِ نبی چاہتے ہیں کہ جس کو بادل پانی کے ساتھ پی گیا تھا۔ جب اُس کے شکم سے وہ مچھلی نکلی اور وہ باز کہ جو ہوا پر شکار کرتا

تھا وہیں اُسے اپنی چونچ میں پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گیا۔ اسی مچھلی کو چھپا کر کرامت امام دریافت کیا چاہتے ہیں۔"

یہ سخن سنتے ہی وہ شرمندہ ہوا اور حضرت کو اپنی دامادی میں لایا۔

۱۳

سُنا ہے کہ ایک دن کسی بازی گر سے متوکل نے پوچھا کہ "تو کسی ڈھب سے حضرت امام تقی علیہ السلام کو خفت دے سکتا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "ایک صورت سے۔ اگر تم حضرت کو بہ طور مہمان کے بُلواؤ اور کھانے اقسام اقسام کے پکوا کر ایک دستر خوان پر چنواؤ۔ حضرت علیہ السلام اُس دستر خوان پر بیٹھیں اور کھانا کھانے لگیں تب میں انھیں بازی دوں۔"

چنانچہ اُس نے وہی کیا کہ حضرت علیہ السلام کو بُلایا اور دستر خوان عمدہ پر بٹھلایا جوں ہی حضرت نے ایک روٹی پر ہاتھ ڈالا وہیں وہ اُس روٹی کو اُڑا گیا۔ اسی صورت سے دو تین روٹیوں کی نوبت پہنچی۔ تب تو حضرت چشمِ غضب سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ اتنے میں کسی شیر کی تصویر قالین پر نظر آئی۔ حضرت نے اُسی کو اشارت کی کہ "اے شیرِ قالیں! اُٹھ اور جلدی اسے کھا جا!"

یہ اِرشاد سُنتے ہی وہ شیر اُٹھا اور اُسے کھا کر پھر اسی قالین پر اپنی اصلی صورت سے پڑ رہا اور حضرت نے اِرادہ اُٹھنے کا کیا۔

یہ واردات دیکھ کر متوکل نے عرض کی کہ "یا امام! میں چاہتا ہوں کہ آپ بیٹھیں اور اسی کُشتے کو پھر زندہ کریں۔"

حضرت نے فرمایا کہ "قسم خدا یہ ہرگز نہ ہوگا بلکہ اب کوئی اسے قیامت تک نہ دیکھے گا۔"

یہ فرما کر حضرت جہاں سے تشریف لائے تھے پھر وہیں رونق افزا ہوئے۔

۱۴

سُنا ہے کہ ابو ہاشم نے کہا کہ "کوئی وقت ایسا نہ ہوا کہ میں مجلس میں جناب حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی حاضر ہوا ہوں اور معجزہ نہ دیکھا ہو۔

چنانچہ ایک دن میں نے یہ قصد کیا کہ محفلِ ہدایت میں چلیئے اور نگینۂ انگشتری خاص حضرت سے طلب کیجیئے۔

آخر کار گیا اور مجلسِ امام میں مؤدب ہو کر بیٹھ رہا۔ اشتیاقِ ملاقات امام علیہ السلام نے یہاں تک مسرور و سرفراز کیا کہ مقصدِ دلی بالکل بھول گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب رخصت ہونے لگا تب حضرت امام علیہ السلام نے انگشتری انگشتِ عالی سے اُتاری اور مجھے عنایت کر کے ارشاد کیا کہ "تو صرف نگینے کے واسطے آیا تھا اب یہاں سے مع انگوٹھی نگینہ لے چلا۔"

۱۵

سُنا ہے کہ ابو جعفر نے کہا ہے کہ "میں نے ایک عرضی جناب حضرت امام محمدؑ مہدی آخرالزماں علیہ السلام میں دو مطلب کی ارسال کی اور چاہا کہ تیسرے احوال کی بھی عرض کروں"
لیکن خطر اس بات کا گذرا کہ کہیں مزاجِ امام پر ملال نہ آجاوے"۔
اس اندیشے کو دل میں جگہ دے کر لکھنے سے باز رہا اور انہیں دونوں پر اکتفا کیا۔
جب سرفرازنامہ امام علیہ السلام کا اس عرضی کے جواب میں آیا تب نہایت مسرور ہوا۔
چنانچہ ان دونوں مدعاؤں پر جو حکم ہوا تھا دریافت ہوا اور تیسرا مقصد جو کہ میں نے نہ لکھا تھا اُس کے حق میں بھی اشارہ تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ بھی جلد ہوگا اور تو اپنے مقصدِ دلی کو پہنچے گا۔

۱۶

سُنا ہے کہ ایک شخص کسی بادشاہ کے پاس گیا اور دعویٰ پیغمبری کا کرنے لگا۔
بادشاہ نے فرمایا کہ پیغمبر کو معجزہ ضرور ہے۔ تجھ میں بھی کچھ مقدور ہے؟"
اس نے کہا: "جو کہو سو کروں کیونکہ میں پیغمبر ہوں!"
بادشاہ کے ہاتھ میں اُس وقت ایک قفل آہنی تھا۔ اُسی کو ارشاد کیا کہ "اگر تو پیمبر ہے تو اسے کھول دے۔"
اُس نے کہا کہ "میں نے دعویٰ پیمبری کا کیا ہے، کچھ آہنگری کا نہیں!"

۱۷

سُنا ہے کہ ایک شخص مارے بھُوکھ[۱] کے گھبرایا اور کسی بادشاہ سے جاکر کہنے لگا کہ "میں پیغمبر ہوں یا کچھ عنایت کرو یا مروا ڈالو!"

حاصل کلام ارادہ اُس کا یہ تھا کہ یا تو کچھ لے ہی نکلوں گا یا مارا ہی جاؤں گا۔

بادشاہ نے اُس کے چہرے سے دریافت کیا کہ اس کو فاقہ کشی کے باعث خللِ دماغ ہوا ہے جو یہ ایسی لایعنی باتیں کرتا ہے۔

یہ سمجھ کر ایک وزیر سے کہا کہ "تو اس کو باورچی خانے میں لے جا اور طرح طرح کے کھانے کھِلا۔ بلکہ دو چار روز یہ وہیں رہے تاکہ اس کی نیت بھی بھرے۔"

وہ اُس کو باورچی خانے میں لے گیا اور نعمتیں کھِلانے لگا۔

بعد دو چار دن کے بادشاہ نے اُسے طلب کیا اور پوچھا کہ "تم اب بھی دعوٰی پیغمبری کا کرتے ہو؟ اگر ہوتے تو جبریلؑ تمھارے پاس آتے۔ اگر وہ آتے ہیں تو کیا فرماتے ہیں؟ کہو!"

اُس نے کہا کہ "البتہ پیمبر ہوں۔ اس میں کیا شبہ! چنانچہ شب ہی کو جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور بعد سلام کے کہتے تھے کہ "حق تعالیٰ نے تحفۂ درود بھیجا ہے اور

---

[۱] بھوک

یہ کہا ہے کہ "اے پیغمبر! ہم نے بہت پیغمبروں کو پیدا کیا۔ پر ایسا نعمت خانہ کسی کو رہنے کی خاطر نہیں دیا، سوائے تمھارے۔"

بادشاہ اس سخن سے ہنس پڑا اور اُسے کچھ دلوا کر نکلوا دیا۔"

۱۸

سُنا ہے کہ ایک شخص دانش مند کسی بادشاہ کے پاس گیا اور اپنے تئیں پیغمبر ظاہر کرنے لگا
بادشاہ نے کہا کہ "اگر تو اپنے تئیں پیغمبر کہتا ہے تو کچھ معجزہ بھی رکھتا ہے؟"
اُس نے کہا کہ "جس چیز کی ایما پاؤں وہی دکھلاؤں"۔
بادشاہ نے کہا کہ "اِس وقت اِس زمین سے ایک خربوزہ پیدا کر!"
اُس نے کہا کہ "تین روز کی مہلت دے تاکہ خربوزہ اس زمین سے نکلے"
بادشاہ نے کہا کہ "مجھ کو ابھی چاہیئے"
اُس نے کہا کہ "خوب! خُدا اس قدرت پر نو مہینے کے بعد پھل دکھلائے۔ میں ایسا کیا ہوں، جو آج ہی پیدا کروں!"

۱۹

سُنا ہے کہ ایک دن حضرت سُلیمانؑ کے پاس بہت مچھّر گئے اور فریاد کرنے لگے کہ یا حضرت سلیمانؑ! ہم ہوا کے جور و ستم سے مرتے ہیں بلکہ بے گھر بے در پڑے پھرتے ہیں۔"

حضرت نے فرمایا کہ "تم حاضر رہنا میں اُسے بلواتا ہوں اور قرار واقعی سزا دیتا ہوں۔"

چنانچہ حضرت نے ہوا کو طلب کیا۔ جوں ہی وہ آئی، وہیں وہ ہوا ہوگئے۔

اُس نے عرض کی کہ "کیوں اس لونڈی کو یاد فرمایا؟"

حضرت نے ارشاد کیا کہ "تجھ پر ایک گروہ نے کچھ نالش کی ہے اس واسطے تجھ کو بلوایا ہے کہ تو بھی اِن کا جواب دے۔ پھر جو کچھ از روئے تجویز کے ٹھہرے گا سو کیا جائے گا۔ اب مُدعی حاضر نہیں تو جا۔ جب وہ آویں گے تب پھر ہم تجھے بلواویں گے۔"

غرض اس طرح سے دو چار بار نوبت پہنچی کہ جب وہ آتے تھے تب وہ نہ آتی تھی اور جب یہ آتی تھی تب وہ نہ آتے تھے۔

آخر کار ایک دن حضرت نے مچھّروں کو ارشاد کیا کہ "میں بے مقابلہ مُدّعی و مدعا علیہ کے انصاف نہیں کر سکتا۔ جب تم دونوں آؤ گے تب اپنی اپنی داد کو پہنچو گے!"

۲۰

سُنا ہے کہ ایک بادشاہ اپنے جھروکے سے سیرِ دریا کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک فقیر آیا اور اُس دریا کے کنارے بیٹھا، چُلّو بھر بھر کر پانی پینے لگا۔

جب پانی پی چکا تب ایک سانس بھر اُٹھا اور شہر کی طرف چل نکلا۔

بادشاہ نے سر کو کھڑکی سے باہر کیا اور بہ آوازِ بلند اُس فقیر کو کہا کہ شاہ صاحب! آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ ہم آپ سے کچھ عرض رکھتے ہیں۔ عرض کریں گے۔"

اُس نے کہا کہ "بابا! تو بادشاہ میں گدا۔ مجھ میں تجھ میں یہ سنجوگ کب بنا کہ ایک جگہ ہو دیں اور باتیں کریں۔ مثل مشہور ہے چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔"

اُس نے کہا کہ "حضرت! آپ ڈیوڑھی پر جائیں، چوبداروں سے کہیں۔ وہ مجھ سے آکر عرض کریں میں آپ کو بلوا لوں۔"

اُس نے کہا کہ اللہ اکبر! اب میں ڈیوڑھی پر جاؤں، چوب داروں سے عرض کروں۔ وہ تمہیں خبر دیں۔ تم اُن کو حکم کرو۔ وہ مجھے تمہارے پاس لے جائیں جب میں تم سے ملاقات کروں۔ تب کہیں نوبتِ سخن پہنچے۔ نہ صاحب! یہ محنت مجھ سے نہ ہو سکے گی۔"

بادشاہ نے کہا کہ "میں ایک رسا اسی جھروکے سے لٹکا دیتا ہوں، تم اسی کے آسرے سے اوپر چڑھ آؤ۔"

فقیر نے کہا کہ "اچھا"

غرض بادشاہ نے ایک رسا لٹکا دیا۔ وہ اُسی رسّے سے چڑھ گیا اور بادشاہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔

بعد دو چار گھڑی کے بادشاہ نے کہا کہ "شاہ صاحب! میں سلطنتِ دنیوی تو کر چکا اب قربتِ باری تعالیٰ چاہتا ہوں کہ حاصل کروں اور مقرب بساطِ احدیت ہوں۔ تم ہادی ہو ہدایت کرو!"

یہ بات سُن کر وہ فقیر ہنسا اور کہنے لگا کہ "بابا! تجھ سے ملاقات امرِ محال ہے، کیونکہ سیکڑوں کتے دروازے پر بھونکتے ہیں سائل کو تجھ سے ملانا تو معلوم بلکہ اُسی کی جان کھاتے ہیں اور اگر ہاتھ پہنچتا ہے تو پگڑی تیا پاخت کر جاتے ہیں۔ اُس کے درِ وحدت تک جانا تو خیالِ خام ہے اور اُس کی قربت کا گمان رکھنا کج فہمی۔ کیونکہ وہاں ہزاروں انبیا ناک رگڑتے ہیں۔ لاکھوں اولیا سر دُھنتے ہیں۔ کروڑوں پارسا خاک چھانتے ہیں۔ اسی آرزو میں کہ کیوں کر اسے دیکھیں اور نزدیکی کریں۔ مگر اسی صورت سے کہ جس طرح تو نے مجھ سے گدا کو بلا لیا اور اپنے پاس بٹھلایا۔ وہ چاہے تو تجھ سے بادشاہ پر رحم کھاوے اور مقرب کرے کیونکہ وہ عالم ایک سال ہے جسے چاہے مقبول کرے جسے چاہے مردود۔ بیت

جسے چاہے جنّت میں دیوے مقام
جسے چاہے دوزخ میں رکھے مدام

۲۱

سُنا ہے کہ ایک نظر باز کسی گھی والے کی دوکان کے سامنے کھڑا ہو رہا اور اٹکل کرنے لگا کہ کس نے کتنے کا گھی لیا اور کس نے کس سنہ کا روپیہ دیا۔

یہ اپنی ہوشیاری کے باعث سے روپیوں کا شمار کرتا تھا اور سنہ ہر ایک کا یاد رکھتا تھا اور وہ اپنی دوکان داری کی کثرت کے باعث سے یوہیں رکھتا جاتا تھا، نہ گنتا ہی تھا نہ پہچانتا ہی تھا۔

غرض شام تک دو سَو سات ۲۰۷ رُپے کا اُس نے گھی بیچا اور روپیوں کی پوٹلی باندھ دوکان بڑھا اپنے گھر کا رستہ پکڑا۔

جوں ہیں وہ دو چار قدم بڑھا، ووہیں اُس نے اُس کا دامن پکڑ کر کہا کہ "ابے یہ کیا نخرا نکالا ہے۔ یا رُپے حوالے کر یا گھی ہی تول دے! اب تک تو گیتوں کا بہانہ تھا۔ اب دوکان بڑھا کر گھر چلا۔"

اُس نے کہا کہ "میاں جی! کیسے روپے مانگتے ہو اور گھی کا نام کیسا لیتے ہو؟"

غرض رفتہ رفتہ یہ مقدمہ بادشاہ تک پہنچا۔

بادشاہ نے وہ پوٹلی روپوں کی اُس سے لے کر اپنے پاس رکھی اور اُن دونوں کو ضامنی پر چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ "تم صبح کو حاضر ہونا جو تجویز میں ٹھہرے گا سو کیا جائے گا۔"

آخر کار صبح کو بادشاہ تختِ عدالت پر بیٹھ، اُن کو بُلوا کر سوالات کرنے لگا۔

اُس نے عرض کی کہ "جہاں پناہ! میں نے کئی روپے اُسے گھی کو دیئے تھے۔ اس نے شام تک مجھے اسی بہانے پر رکھا کہ مزدور حاضر نہیں۔ وہ آویں تو میں گھی تول دوں۔ اسی انتظار میں تھا جب یہ دوکان بڑھا کر اپنے گھر چلا تب میں نے اس کا دامن پکڑا اور کہا کہ 'بھائی! یا روپیوں کی نشان کر یا گھی دے۔ اسی ردّوبدل میں حضورِ اعلیٰ تک پہنچے ہیں۔ آگے جو حکم ہو سو کریں۔"

بادشاہ نے کہا کہ "تو جو دعویٰ کرتا ہے۔ تیرے کتنے روپے تھے اور کس کس سنہ کے اور کہاں رکھے تھے؟"

اُس نے کہا کہ "دو سَو سات تو اس سنہ کے اور اتنے اس سنہ کے۔"

اُس نے کہا کہ "خداوندا! مجھے معلوم نہیں کہ کے ہیں اور کس سنہ کے مگر گھی کے کٹھرے میں دھرے تھے۔ کیونکہ جس جس روپے کا میں نے گھی بیچا اُس اُس کو میں نے اُسی کٹھرے میں ڈال ڈال دیا۔"

بادشاہ نے جو اُس پوٹلی کو کھولا تو روپے اُتنے ہی پائے کہ جتنے اُس مُدعی نے کہے تھے اور اُسی سنہ کے مگر خاک آلودہ نہ تھے بلکہ چکنے تھے۔

بادشاہ نے اسی دلیلِ قوی کو دل میں جگہ دے کر یک بہ یک مُدعی سے کہا کہ "میں پہچان چکا۔ آفریں و مرحبا! کام تو اچھا کیا ہے۔ پر سچ کہہ! نہیں تو ابھی قتل کرتا ہوں۔"

یہ سخن سُن کر وہ ڈرا اور عرض کرنے لگا کہ "جہاں پناہ! میں نظرباز ہوں۔ یہ کارستانی

اپنی نظر بازی کے سبب سے کی ہے"

بادشاہ نے یہ سُن کر وہ روپے تو اس گھی والے کے حوالے کئے اور اس کی آنکھیں نکلوا کر کچھ جاگیر مقرر کر دی کہ پھر ایسی کوئی حرکت نہ کرے!

۲۲

سُنا ہے کہ راجہ بیربرؔ نے ایک کنواں بڑی چاہ سے بنوایا۔ اور وہ بھی بنا تو ایسا بنا کہ شہر کی کسی باؤلی اور کھائی اور اندارے نے اُس سے لگا نہ کھایا کیونکہ صفائی اُس کے پانی کی موتی کی آبرو اور میٹھا پن اُس کا قند سے زیادہ۔ گلاب کی سی بو اور خنکی اُس کی گرمی میں آبِ شورے کو شرمائے، اور گنگنا پن اُس کا جاڑے میں آبِ حمام کی کیفیت دکھائے۔

حاصلِ کلام لوگوں نے یہ خبر بادشاہ تک پہنچائی کہ خداوند! بیربرؔ نے ایک کنواں ایسا بنوایا ہے کہ جس کو چشمۂ فیض سنتے ہیں وہ اُس کی پتلی کا تارا ہے اور یہاں تک لبالب ہے کہ دیدۂ عاشقاں اُس کے آگے خشک معلوم ہوتے ہیں۔ اور مُنڈیریں اُس کی ایسی لال و نازک ہیں کہ لبِ معشوقاں رشک لے جاتے ہیں۔

غرض یہ شہرہ اُس بادشاہ نے سُنا اور کہا کہ "اللہ اکبر! ایسا کنواں مجھ سے نہ بنے اور بیربرؔ سے دُرست ہو!"

اس خیال کو جی میں جگہ دے کر یہ تدبیر ٹھہرائی کہ اب ایک کنواں آپ بھی بنائیے اور اس کی شادی کے بہانے سے اُس کو بہ طور مہمانوں کے بلوائیے اور اُس کی خانہ خرابی کیجیے۔

چنانچہ ایک کنواں آپ بھی تیار کیا اور بیربر سے کہا کہ "ہمارے کنوئیں کی شادی ہے۔ تو اپنے کنوئیں سے کہہ دے کہ محفل عیش میں حاضر ہوئے اور ہمارے کنوئیں کی بزم شادی کو اپنے قدم سے روشن کرے۔ کیونکہ رسم دنیوی یہی ہے۔ مثل مشہور ہے "تو مجھے میں تجھے"۔

اس نے اس حکم سلطانی کو قبول کیا اور اپنے جی میں جانا کہ یہ شادی کاہے کو ہے ہمارے کنوئیں کی بربادی ہے۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔"

بعد دو چار روز کے بیربر نے جا کر بادشاہ سے عرض کی کہ "جہاں پناہ! میں نے حضور اعلیٰ کی طرف سے اُس کو کہا اور نہایت آپ بھی سمجھایا کہ حضرت خداوند عالمیاں کے کنوئیں کی شادی ہے تجھ کو چلنا ہوگا۔"

اُس نے کہا کہ "میری طرف سے جناب اقدس میں عرض کرو کہ میں تنہا نہیں آسکتا۔ میرے ساتھ اگر کچھ نہ ہوں گے تو دو لاکھ کنوؤں سے کم نہ ہوں گے اور وہ سب سے اتفاقی اور یہ کار شادی ہے یہاں سب برابر ہیں۔ خداوند! پہلے اُس کو سب بھائیوں کے گھر بھیجیں اور وہ سب اُس کو ذات میں لا دیں اور آنا اپنا اُس کی شادی میں قبول کریں تو میں بھی بچشم حاضر ہوں گا اور اگر بہ خلاف اُن کے کروں گا تو جس طرح وہ آپ کی حمایت سے لغارت ہوا ہے۔ میں بھی ہوں گا۔"

بادشاہ نے اس دانش مندی کو بیربر کی دریافت کیا اور اپنے تئیں اُس کے بلوانے سے باز رکھا۔

۲۳

سُنا ہے کہ ایک راجہ کسی غریب برہمن پر خفا ہوا اور قصد اُس کے مار ڈالنے کا کیا۔ اور یہ ڈھب ٹھہرایا کہ مجھ پر بدنامی نہ آئے اور یہ مارا جائے۔

آخر کار ایک راجہ سے وہ نہایت دوستی رکھتا تھا اور وہ اس کی اکثر مشکلوں میں کام آتا تھا۔ اُس نے اُسی کو ایک چٹھی اس مضمون کی لکھ کر اُس غریب کو دی اور کہا کہ "تو اس چٹھی کو فلانے راجہ کے پاس لے جا۔ وہ تجھے ایسا کچھ دے گا کہ وہ تیرے جنم جنم کا دُکھ چھوٹ جائے گا۔ اور اس میں یہ لکھا تھا کہ یہ چٹھی جس وقت تم پڑھو اُسی گھڑی بِکھ دے کر اسے مار ڈالو۔ اور احوال اس کا بخوبی پیچھے سے لکھ کر بھیجا جائے گا۔

چنانچہ جس جگہ اُس نے لفظ 'بِکھ' لکھا تھا بھولے سے اُس جگہ حرف 'بکھیا' کر دیا تھا۔

غرض وہ اُس چٹھی کو لے کر اُس کے پاس گیا۔

جوں ہی اُس نے وہ پاتی کھول کر پڑھی اور اُس کے مضمون کی آگاہی پیدا کی وہیں اپنی لڑکی اُس کے ساتھ بیاہ دی بلکہ اپنی نیابت بھی دی۔

بعد تھوڑے دنوں کے ایک خط آپ بھی اپنے احوال کا اور اس کی شادی کا لکھ کر

اُس راجہ کو بھیجا۔ وہ تو اُس کے جواب کا مُنتظر تھا ہی۔ بے اختیار کھول کر پڑھنے لگا۔

غرض اس میں یہ لکھا کہ "رام کی پرتاب سے ہماری خیر و عافیت ہے۔ تمہاری کھیم کوسل چاہتے ہیں اور بکھما کی شادی جس کو آپ نے پانی دے کر بھیجا تھا اُس کے ساتھ کر دی۔ کہنا تمہارا بچشم بجا لایا اور اب وہی میرا نائب ہے۔"

یہ بات سُنتے ہی راجہ حیران ہوا اور اپنے لوگوں سے کہنے لگا کہ آج تک اس نے کوئی بات برخلاف میری مرضی کے نہیں کی۔ یہ کیا باعث ہے؟"

اُنھوں نے کہا کہ "مہاراج! آپ اس چٹھی کو منگوا کر پھر دیکھیں کہیں غلطی سے کچھ اور نہ لکھ دیا ہو۔"

حاصل کلام وہ چٹھی وہاں سے واپس آئی اور پڑھی گئی تو اُس میں بِکھ کی جگہ بِکھما لکھی تھی۔ اُنھوں نے عرض کی کہ "کیوں مہاراج! بِکھ دیتے بِکھما ملے سائیں غریب نواز۔"

۲۴

سُنا ہے کہ ایک دن نواب خانِ خاناں حضورِ اعلیٰ سے رخصت ہوئے اور ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے دولت خانے کی طرف جانے لگے

اتفاقاً کسی حویلی میں ایک غریب اشراف زادی اپنی انگنائی میں کھڑی بال سکھلاتی تھی۔ بلندی کے باعث سے آنکھ نواب صاحب کی اُس پر پڑی اور برچھی عشق کی کلیجے کے پار ہو گئی۔ گھر آئے اور بے اختیار گردن پھرا کر جو شخص کہ خواصی میں بیٹھا تھا اُس سے پوچھنے لگے کہ "کچھ تو میرے چہرے کو دریافت کرتا ہے"

اس نے عرض کی کہ "خداوندا! نہایت مُتغیّر پاتا ہوں لیکن احوال معلوم نہیں کر سکتا کہ یہ کیا سبب ہے؟ ارشاد ہو!"

فرمایا کہ "فلانی حویلی میں ایک عورت نازنین، پری چہرہ دکھلائی دی ہے کہ جس کے دیکھنے سے دل دیوانہ ہو گیا ہے بلکہ روح نکلی جاتی ہے۔ اگر وہ ہاتھ نہ لگے گی تو نوبت بہ جاں پہنچے گی

اُس نے عرض کی کہ "خداوندا! یہ کچھ کارِ مشکل نہیں، دو چار ہی دن میں یہ فدوی اس کو لا سکتا ہے"

غرض یہ کہہ کر گیا اور اُس کے باپ سے کہنے لگا کہ "حضرت سلامت! اگر صاحبزادی ناکتخدا ہے تو اس کو نواب عالی شان سے منسوب کر دو اور اُن کو اپنی دامادی میں لاؤ۔"

یہ پیغام سُن کر پہلے تو وہ بہت سادق ہوا۔ پھر تو اشرافیت اور عمدیت کو نواب صاحب کی تصور کر کے قبول کر بیٹھا۔

غرض تین لاکھ روپے مد خرچ اُدھر سے بھی ہوئے اور کچھ موافق اپنے مقدور کے اس نے بھی لگائے۔ پچیسویں شہر رجب کو شادی ٹھہری۔ ادھر سے بھی اتنی تیاری ہوئی کہ بیان میں نہیں آ سکتی۔

چنانچہ حکم کیا کہ جتنے لوگ اس احقر کے ساتھ ہیں سب کے سب اپنا اپنا جوڑا ارغوانی کریں اور جن کے پاس نہ ہو وہ توشے خانے سے لیں بلکہ جزو کل اس امر میں ہرگز نافرمانی نہ کریں۔"

حاصل کلام جس وقت نواب صاحب دولہا بنے اور بہتی کے گھر کی طرف بنے بن کر چلے تو یوں معلوم ہوئے کہ جس طرح سے تاروں میں ماہ اور فوج میں شاہ۔ صلی اللہ! واہ واہ! جس وقت مع برات اُس محفل شاہانے میں جا کر بیٹھے تو ہر ایک اہلِ مجلس کیسریا باگا پہنے، جواہر کے دریا میں غرق نظر پڑا کہ جس کے دیکھنے سے چاند کو چکا چوند لگ گئی اور نورِ شمع کا فور ہو گیا۔ آہے آہے کی دھوم پڑی لولی فلک ناچنے لگی مشتری، شمس و قمر کے مجیرے لے کر ساتھ دینے لگی۔ ساعتِ نیک ستارۂ کہکشاں چھیڑنے لگی طبلے گمکنے لگے۔ سارنگیاں، ڈھولکیاں اوٹرلگیاں۔ گھر میں ڈومنیاں بھی گانے لگیاں۔ ٹونا کہ اچھی نیکی بنڑی یہ لوبھانا بنرا۔ نرگس و سوسن ورائے بیل دیتیا پھ کچھ گھر میں سے لاتی تھیں اور دولہا کے کان گال میں لگا لگا جاتی تھیں اور دولہا مسندِ عیش پر بیٹھا ہوا سہرے کی لڑیوں سے ہر ایک اہل برات کی طرف نظر دوڑاتا تھا اور بخوبی تمام اُن کو دیکھتا تھا۔ اس واسطے کہ کوئی براتی بدنما نہ ہو کہ اتنے میں نظر نوشہ ایک سولہ سترہ برس کے لڑکے پر پڑی تو کیا دیکھا کہ وہ لڑکا

میلا کچیلا پھٹے کپڑے، موئے پریشاں، چاک گریباں، رنگ زرد، ہونٹ نیلے، گرد آلودہ چشم پُرنم، نیچا لیے، موت پر کمر باندھے، کچھ ہراساں سا بیٹھا ہے۔ بلکہ کسی بات پر آہ کھینچتا ہے۔

اس حالت سے جو خاں صاحب نے اُسے دیکھا تو نہایت رقت اور لطف سے اشارہ کر کے اُسے نزدیک طلب کیا اور کہا کہ "تو کون ہے جو اس محفل میں آیا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "میں نمک پروردۂ حضور ہوں۔ بہ موجب ارشاد کے آیا ہوں۔"

خاں صاحب نے فرمایا کہ "اس صورت پریشاں سے کیوں حاضر ہوا؟"

اُس نے عرض کی کہ "کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

فرمایا "کہہ!"

اُس نے کہا کہ "اگر خداوند خلوت میں چلیں تو کچھ عرض کروں۔"

حاصل کلام خاں صاحب جب اُس کو خلوت میں لے گئے تب اُس نے کہا کہ "جس عورت سے آپ نکاح پڑھواتے ہیں وہ میری منگیتر ہے۔ سوائے اس کے عموزادی بھی ہے۔ چچا جان نے لالچ کو کام فرمایا ہے۔ مجھے چھوڑ کر آپ سے اس کا بیاہ ٹھہرایا ہے۔ میں منتظرِ نکاح ہوں۔ جب خداوند کا عقد بندھ چکے گا تب یہ نمک خوار بھی سلامی میں نقدِ جاں قدمِ مبارک پر نثار کرے گا۔"

یہ حکایتِ جاں سوز سنتے ہی خاں صاحب بے اختیار رونے لگے اور اُسے گلے لگا کر کہنے لگے کہ "بابا! وہ آج سے میری بیٹی ہے اور تو بیٹا۔ یہ مسندِ شاہانہ تجھے مبارک ہو۔"

یہ کہہ کر اپنے گلے سے کپڑے اُتارے اور اُس کو پہنا کر اُس دُلہن کے ساتھ اُس کا حق بندھوا دیا۔

لوگوں نے عرض کی کہ "خداوند! اس قدر مبلغ خطیر اس گدا مرنا سفتہ پر خرچ کیا اور یوں ہیں

اس کو اس سنگریزے کے حوالے کیا۔"

فرمایا کہ "میں صرف دیکھنے کا عاشق ہوں۔ بہ طور فرزندوں کے بھی دیکھ سکتا ہوں اور وہ اُس کا مستحق ہے اِسے چُھڑاتا تو خدا کو کیا منہ دکھلاتا بیت ؎

وصل کی آرزو نہیں مجھ کو
دیکھ لینے کا میں تو عاشق ہوں

۳۵

سُنا ہے کہ کالے خاں کی مُنیاں لال خاں سبزی فروش کے لڑکے نے پکڑی۔ جب صبح کی سفیدی جھکی تب یہ خبر اُس کو پہنچی۔ شہباز خاں کو ساتھ لے کر اُس کے گھر گیا اور ڈیوڑھی پر کھڑا ہو کر پکارنے لگا کہ "میاں ہماں اللہ گھر میں ہیں؟"

بی بی چیخ بولیں کہ "نہیں تم اپنا نام بتلا جاؤ۔ آویں گے تو ہم کہہ دیں گے۔"

اُس نے کہا کہ "نام کہنا کچھ ضرور نہیں، اگر آویں تو اتنا ہی کہہ دینا کہ تم بی بھری کے مکان پر جاؤ۔ وہاں کوئی شخص تمہاری مُلاقات کے منتظر ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ اُدھر گیا اور یہ اِدھر اپنے گھر آیا۔ بی چیخ نے کہا کہ "ایک مرد شیرازی تمہیں بی بھری کے مکان پر بُلا گیا ہے۔ جا ہو تو جاؤ اور اُس سے ملاقات کر دو۔"

یہ سُنتے ہی وہ اپنے گھر سے ذغن بھرتا ہوا اچلا اور اُس محفل چڑی ماروں میں جا پہنچا۔ ہلسوڑ تو تھا ہی اُن سے کاہا کہی کرنے لگا۔ وہ بھی ایک ٹھٹھے باز۔ اپنے معلے کو اور اجلت پر اُتر ہی پڑا۔ کالے خاں نے کہا کہ "میری مُنیاں مجھے دے نہیں تو ابھی تجھ پر چیل جھپٹا کرتا ہوں۔"

اُس نے کہا کہ "میں کسی کی واگوہار سے نہیں ڈرتا۔ وہ دن گئے جو خلیل خاں فاختہ

اڑاتے تھے۔ مثل مشہور ہے کیا پدری اور کیا پدری کا پلپو۔ میں بی پیازن کی مولی نہیں جو مرزا کریلا کی سازش سے ڈنٹھل سمیت آپ چٹ کر جائیں گے۔ میں تو وہ ہوں کہ ایک دم میں طوطی بھیتوں ملا دوں۔ تم کچنال کلی کے بھروسے بھولے پھرتے ہو۔ وہ آپ ہی بی انارو کی بے پالک ہے۔ جس کوکل ہے اُس کو بے میں گلے لگایا اور سَو روپے کے پتّے بنوا کر اس کے کان میں ڈال دیئے۔ گو اب ہم سے نہار کھاتی ہے اور کرڑا پن دکھلاتی ہے اور اپنے جڑیوں کو بالا بتاتی ہے کہ میں نہیں تھی۔

اُس نے کہا کہ "ہاں صاحب تم بی چمپا پر کودتے ہو کیوں نہ کہو گے جو گھر میں ملیٹھی بلبل لڑاتی ہیں۔ انشاء اللہ! اُن کو بھی تو کسی سے کدو نہ کدو کچھ کام پڑے گا۔ دیکھو تو ایسی سر وہی سخن لگاؤں کہ اُن کی قمری مکر کے ڈینے اُڑ جاویں گے۔"

اُس نے کہا کہ "سچ ہے بہت سے لٹوروں نے چاہا کہ انھیں اپنے پنجے میں لادیں پر انھوں نے ہر ایک کو اُتو بنا کر جنگل دکھلایا۔"

اُس نے کہا کہ "یہ تمہارا حسن ظن ہے جو اس کی اتنی تعریف کرتے ہو اور تمام جہان میں ناحق کی اگن پھیلاتے ہو۔ وہ کچھ ایسا سرخاب کا پر نہیں رکھتی جو کوئی اُس سے ڈرے یا اُس کے چکوتروں کی مگس رانی کرے۔ مگر جو کوئی اُس کا کچھ محرم ہو سو یہ دل سوزی کرے۔"

اُس نے کہا کہ "یہ کیا بکتا ہے؟ خدا شکر خورے کو شکر بھیج ہی دیتا ہے کیا خوب ناک کا گلا بھوں کے آگے۔ اور یہ سینہ زوری کچھ کام نہ آوے گی۔ اور کب تک شاما تجھے اپنے پروں میں چھپائے رکھے گی۔ اگر ایسی لپیٹ کی بات کسی اور سے کہے گا تو وہ بھٹا سا سر اُڑا دے گا۔"

یہ کہہ کر ہنس پڑے اور گلے مل گئے۔

۲۶

سُنا ہے کہ ایک عورت نے اپنے یار سے کہا کہ "میرا جی چاہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ چلوں اور اپنے کُنبے کی ناک رکھوں۔"

اُس نے کہا کہ "میرے دل میں بھی یہی ہے پر یہ بات کیوں کر ہو سکے؟"

اُس نے کہا کہ "میں کل ایک بہانے سے مر جاتی ہوں اور خاوند میرا مجھے جہاں گاڑ آوے گا تو آدھی رات کو مجھے اُس قبر سے نکال کر جہاں چاہنا وہاں لے جانا۔"

یہ کہہ کر اُسے رُخصت کیا اور آپ اپنے معمول سے جا کر خاوند کے ساتھ سو رہی۔ جب دو گھڑی رات باقی رہی۔ تب ایک گلوری کھا، تھوڑا سا پانی پی، بے اختیار چلّائی اور رونے کرنے لگی اور اپنے خاوند سے کہنے لگی "اجی میں مرتی ہوں میری جلد خبر لو۔"

یہ بات سُنتے ہی وہ اُٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک طشت خون سے بھرا ہوا اُس کے آگے دھرا ہے اور وہ اُس میں لہو کرتی ہے۔

یہ حالت دیکھ کر نہایت بے قرار ہوا اور اُس سے پوچھنے لگا کہ "بی بی! یہ کیا بات ہے؟"

اُس نے اتنی ہی بات کی کہ "مجھے تمہاری خاطر کسی نے پان مارا ہے۔"

یہ اظہار کیا اور سرد ہو گئی۔

آخر کار بعد دو تین گھڑی کے تعزیت کے واسطے اُس کے خاوند نے اپنے لوگوں کو جمع کیا اور اُس کو بخوبی اپنے مقبرے میں گاڑ دیا۔

مثل مشہور ہے کہ "جیتے جی کا سب کوئی"

جب آدھی رات گذری تب وہ شخص اُس کو اُس قبر سے نکال کر کسی ملک میں لے گیا اور بہ فراغت تمام چین کرنے لگا۔

اتفاقاً ایک چوڑی والی اس عورت کی سسرال کی اسی شہر میں بیاہی گئی تھی اور وہ اُن دنوں میں اُسی ملک میں تھی۔ چنانچہ ہر روز محلہ بہ محلہ جا جا کر عورتوں کو چوڑیاں پہنایا کرتی تھی کہیں ایک روز اُس عورت کے بھی گھر گئی اور اُسے صحیح و سلامت دیکھ کر اپنے جی میں کہنے لگی کہ "یہ بی بی تو فلانے شخص کی جورو ہے۔ یہ یہاں کیونکر آئی؟ وہاں تو مر گئی تھی"

یہ بات جی میں ٹھہرا کر اپنی سسرال آئی اور اُس شخص سے جا کر کہنے لگی کہ "تمہاری بی بی فلانے ملک میں بھلی چنگی جیتی جاگتی میں دیکھ آئی ہوں۔ اگر اعتبار نہ ہو تو جاؤ اپنی آنکھوں سے دیکھو!"

یہ سخن سُن کر وہ گھبرایا اور بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر اس شہر میں آیا اور وہاں کے حاکم سے جا کر کہنے لگا کہ "میری جورو فلانے گھر میں ہے اور میرے گھر سے یوں نکل آئی ہے"

یہ بات سُنتے ہی اُس نے اُس عورت کو بلوایا اور پوچھنا شروع کیا۔ اگرچہ وہ منکر ہوئی پھر تو لوگوں کی گواہی پر اُسی شخص فریادی کی جورو ٹھہری، اور یہ بھی مکر و فریب اُس کا ثابت ہوا۔

حاصل کلام اُس شخص نے اُس عورت کو مار ڈالا اور اپنے تئیں فقیروں میں داخل کیا۔

٢٧

سنا ہے کہ ایک سوداگر بچہ نوجوان عالی خاندان، بیس[۲۰] اکیس[۲۱] برس کا سن و سال دُنیا کی دولت سے مالامال، فارغ البال، ہمیشہ اپنے شہر میں رہا کرتا۔

ایک دن اُس کی جورو نے کہا کہ "میاں تم مرد ہو۔ تمہارا اس صورت سے گھر میں بے حس و حرکت بیٹھ رہنا اچھا نہیں کیونکہ آدمی کو بے رنج راحت نہیں اور زر کو برکت بے تجارت۔ اسی طرح سے اگر گزران کروگے تو قارون کے خزانے سے بھی عہدہ برآ نہ ہو سکوگے جس سے بہتر یہی ہے کہ سفر کرو کچھ دُنیا کے کاروبار سے بھی واقف ہو۔" اس واسطے کہ وہ گھر سے نکلے تو وہ اپنے یار سے چین کرنے لگے غرض بہ ہزار خرابی اُس نے اُسے گھر سے نکالا۔

جب وہ پردیس چلا تب ہر ایک عورت نے اپنے اپنے حوصلے کے موافق سوغات کو کہہ دیا اور اُس کی جورو نے بھی کہا کہ "صاحب میرے واسطے اگر ہاتھ لگے تو ایک سیر بھر بچتر لانا۔ آخرکار وہ ایک جہاز پر سوار ہوا اور کسی شہر کا رستہ پکڑا۔ بعد دو چار مہینے کے ایک مُلک میں جا پہنچا اور خرید و فروخت کرنے لگا۔ جب اپنا مال بیچا تب سوغات کی جنس اپنے لوگوں کی خاطر ڈھونڈھنے لگا۔ جس جس نے جس جس چیز کو کہا تھا سو سب میسر آئی مگر

چرتر کی جنس کہیں نہ پائی، لاچار ہو کر اپنے جہاز کی طرف پھرا

اتفاقاً راہ میں ایک بڑھیا ملی اور اُسے متفکر دیکھ کر کہنے لگی کہ "واری گئی تو کس واسطے حیران ہے؟

اُس نے کہا کہ "ماما! میں نے بہت سا اسباب واسطے سوغات کے لیا ہے مگر چرتر کی جنس نہیں ملتی اس لئے غمگین ہوں کہ بی بی کو کیا جواب دوں گا"۔

اُس نے کہا کہ "لڑکے! اگر چھ مہینے میرے پاس رہنا قبول کرے تو وہ چرتر کون چیز ہے میں خرید دوں گی"۔

اس نے یہ بات مانی اور صحبت بڑھیا کی غنیمت جانی۔

حاصل کلام اُس نے اُس کے سر کے بال کئی مہینے میں بڑھلائے اور عروسانہ کپڑے پہنائے۔ دُلہنوں کی سی صورت بنا کر بادشاہ کے پاس لے گئی اور عرض کرنے لگی کہ "جہاں پناہ! اس عورت کا خاوند سپاہی ہے۔ وہ زبردستی اس کو میرے پاس چھوڑ گیا۔ میں رنڈیا ڈکھیا اس جوان جہان جی کو اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں کیونکر رکھوں؟ آپ جہاں پرور ہیں اس کو محل مبارک میں داخل کریں۔ جب وہ نگوڑا آوے گا تب سمجھا جاوے گا"۔

بادشاہ نے یہ بات بڑھیا کی پسند کی اور وزیر سے کہا کہ "بیٹا تیرا پردیس گیا ہے اُس کی بی بی اکیلی رہتی ہو گی۔ جس سے بہتر یہی ہے کہ اس عورت کو اپنے گھر لے جا اور بہو سے ملا دے۔ یہ دونوں آپس میں خوش رہیں گی اور باتیں پیار کی کریں گی"۔

وزیر نے یہ حکم بادشاہی قبول کیا۔ اس عورت کو اپنے گھر لے گیا اور بہو سے کہنے لگا کہ "بابا! جب تک تمہارا خاوند سفر سے پھرے تب تک اس کو اپنے ساتھ رکھو! میری بھی اس میں خوشی ہے اور بادشاہ کی بھی مرضی یہی ہے"۔

غرض اس عورت کو وزیر کی بہو نے اپنے ساتھ رکھا اور ربط دوستی نہایت بہم پہنچایا۔

ایک دن وہ دونوں کوٹھے پر کھڑیاں تھیں اور دور دور نظریں دوڑاتیاں تھیں کہ اتنے میں ابر گھر آیا، مینہ برسنے لگا۔ ہوا ٹھنڈی چلی۔ اِن کو بے کلی ہوئی۔ جوانی نے ستایا سبزہ لہکا۔ دل بوسہ و کنار کو چلا۔ وزیر کی بہو نے بیقرار ہو کر اس کو سُنایا کہ "بی بی! اگر ہم میں سے اس وقت ایک مرد ہو تو کیا خوب ہو۔ بے کھٹکے رہیں اور عیش و عشرت کریں"

اس نے اپنی دانائی سے معلوم کیا کہ اس وقت اس کا جی مرد کی خواہش رکھتا ہے۔ حقیقت میں تو مرد تھا ہی اُس کو بھی ایک جوانی کی ترنگ آئی اور حرص دُنیوی غالب ہوئی بہ طور لگاوٹ کے بات اُس نے کہی کہ "بی بی! اس وقت ہم تم نماز پڑھیں اور دعائیں مانگیں خدا کریم کارساز ہے شاید ہم میں سے ایک کو مرد کر دے"

یہ شخص دونوں نے ٹھہرایا اور دعا کی خاطر ہاتھ پھیلایا۔

بعد ایک ساعت کے وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ "میری دعا تو جناب الٰہی میں مستجاب ہوئی اُس نے اپنے کرم سے مجھے علامتِ مردبخشی۔ اب آپ ادھر تشریف لائیں، کچھ ہم سے مل کر حظِ دنیوی اُٹھائیں"۔

یہ بات سُن کر وہ خوش ہوئی اور دوڑ کر اُس کے گلے لپٹ گئی۔ پھر تو وہ دونوں بخوبی اختلاطیں کرتے تھے اور چین اُٹھاتے تھے۔

بعد کئی مہینے کے اُس کا شوہر آیا۔ وزیر نے اپنی بہو سے کہا کہ "بابا! تمہارا خاوند آیا ہے۔ اب اس عورت کو نیچے کے مکان میں جگہ دو اور تم اپنے دولہا سمیت اوپر کے مکان میں رہو"۔

یہ بات اُس نے اپنے سسر کی طوعاً و کرہاً قبول کی اور خاوند کے ساتھ رہنے لگی۔ بعد دو چار دن کے آدھی رات کو ایک خنجر تیز سے اپنے خاوند کو ذبح کیا اور لاش اُس کی مع سر دریا میں بہادی

تعشق سے بھری اُس کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ "میں نے تیرے واسطے اپنا خاوند مارا۔ اگر مجھ کو اب لے آؤ بھرتا ہے تو لے اور ایسا وقت پھر نہ پائے گا۔ مثل مشہور ہے۔ شب حاملہ فرد اچہ زاید"

وہ یہ سخن سُنتے ہی کہنے لگا کہ "بی بی! میں احمق نہیں کہ تجھ سی قصابن کو ساتھ رکھوں کہ وقت بے وقت اپنے تئیں بھی ذبح کرواؤں"

یہ کہہ کر بھاگا اور بڑھیا کے گھر کا رستہ پکڑا۔

جب اُس نے دیکھا کہ خصم کا خصم ہوا اور یار کا یار جُدا ہوا تب تو لاچار ہو کر وہاں سے پھری اور اپنے بچھونے پر جا کر سو رہی۔

صبح کو سسر نے آکر پوچھا کہ "متو! تمہارا خاوند کیا ہوا؟"

اُس نے کہا کہ "بابا جان! پچھلے پہر وہ میرے پاس سے اُٹھ اور اس سپاہی کی جورو کو اپنے ساتھ لے کر خدا جانے کہاں چلے گئے۔

یہ سُن کر وزیر کو دو غم ہوئے۔ ایک تو بیٹے کا چھٹنا۔ دوسرے امانت میں خیانت کا پڑنا لاچار کیا کرتا۔ بازی ہاتھ سے جا چکی تھی۔ چپ ہو رہا۔

اور وہ اسی زنانے لباس سے بڑھیا کے پاس گیا اور احوالِ گزشتہ کہنے لگا۔

یہ بات سُن کر وہ خوش ہوئی اور بولی کہ "واری گئی اگر کچھ عقل رکھتا ہو گا تو احوال پر تر کا معلوم کرے گا"

غرض صبح کو اس کا سر مُنڈا، مردانے کپڑے پہنا۔ سپاہیوں کی صورت بنا۔ بادشاہ کے پاس لے گئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ "یہ وہی سپاہی جاہل ہے کہ جس کی عورت محل میں داخل ہے اب یہ حضور میں آیا ہے اس کی امانت اسے ملے"

بادشاہ اُس کی شیریں سُخنی سے خوش ہوا۔ وزیر سے کہنے لگا کہ "اے خیر اندیش و

نیک نظر! اس کی عورت کو اس کے حوالے کر!"

وزیر یہ سخن سُن کر متفکر ہوا اور ہی اپنے جی میں ارادہ کرنے لگا کہ وہ تو اس کی جورو لے گیا ہے تو اس کی بیوی اس کے حوالے کر کیونکہ تو بھی سرخرو پیش شاہ بحر و بر ہوا اور جبر و نقصان برابر ہو۔ یہ بات ٹھہرائی اور اُس سپاہی کو اپنے گھر لا کر اپنی بہو بہ منت اُس کے حوالے کی۔

وہ اس عورت کو لئے ہوئے پھر بڑھیا کے پاس گیا۔ وہ اُن دونوں کو دیکھ کر ہنسی اور کہنے لگی کہ "مبارک! کل اپنے جہاز یہاں سے کھلوائیے اور بھرے پُرے اپنے شہر تشریف لے چلیئے۔ کچھ بٹے بازی یہاں دکھلائی ہے اور کچھ کارستانی وہاں دکھلاؤں گی۔

غرض اُس عورت کو اور اُس سوداگر بچے کو بعد کئی مہینے کے اُس کے شہر میں لائی اور کہنے لگی کہ "تو اپنے گھر کہلا بھیج کہ میں خدا کے فضل سے آج اس شہر میں داخل ہوا لیکن تاریخ منحوس کے باعث گھر میں نہیں آسکتا۔ انشاءاللہ تعالیٰ تڑکے آؤں گا۔

یہ خبر سُنتے ہی اُس کی جورو ظاہر تو خوش ہوئی پر باطن میں مر ہی گئی۔ وہ چار گھڑی رات گئے اپنے یار کو بُلوا کر کہنے لگی کہ "صاحب وہ کمبخت تو آپہنچا۔ بہتر یہی ہے کہ آج ہم تم دل کھول کر عیش و عشرت کریں کل خدا جانے کیا ہو مثل مشہور ہے۔ بیت

یہ دو دل کو ایک جا بٹھاتا نہیں　　　کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں

یہ کہہ کر شرابیں منگوائیں اور بدمستیاں شروع کیں گلے میں بانہیں ڈال کر لیٹے اور بہ فراغت تمام سو رہے۔

جب آدھی رات کا عمل ہوا تب وہ بڑھیا ایک خنجر اپنی کمر سے لگا کر جہاز سے اُتری اور اُس سوداگر بچے کے گھر کسی سبب سے گئی۔ تو کیا دیکھتی ہے کہ سوداگر بچے کی جورو اور ایک مرد نوجوان آپس میں لب سے لب ملائے اور چھاتی سے چھاتی بھڑائے عالمِ عیش میں بستر راحت پہ پڑے ہیں۔

یہ تماشا دیکھتے ہی اُس نے خنجر کمر سے نکالا اور اُس مرد کا سر کاٹ ڈالا۔ دھڑ تو وہیں چھوڑا، سر رومال میں باندھ کر وہاں سے لے اُڑی اور سوداگر بچّے کے پاس آکر کہنے لگی کہ "صبح کو دو چار گھڑی دن چڑھے اس سر کو مع اسباب سوغات اپنے گھر لے جا۔ جس وقت وہ لوگ تجھے دیکھیں اور اپنی اپنی سوغات طلب کریں، اسی وقت ہر ایک کی امانت ہر ایک کے حوالے کرنا اور اپنی بی بی سے کہنا کہ، صاحب! آپ بھی ادھر آئیں اور اپنی سوغات لیں۔ آپ نے تو سیر بھر چھترمنگوایا تھا۔ میں سوا سیر لایا۔ اس کو لو اور میری محنت کی داد دو! یہ کہہ کر وزیر کی بہو کو سامنے کر دینا اور اس سر کو اُس کی گود میں دھر دینا۔"

غرض صبح کو وہ سوداگر بچہ اُن دونوں کو لے کر اپنے گھر گیا اور اس بڑھیا کے کہنے کے بموجب اپنے عمل میں لایا۔ چنانچہ ہر ایک کی سوغات دے کر وزیر کی بہو کو اپنی بی بی کے سامنے کھڑا کیا اور اُس سر کو اپنی گود میں دھر کر کہنے لگا کہ "ابھی تم نے سیر بھر کہا تھا میں سوا سیر لایا ہوں۔ دیکھو! سیر بھر تو یہ عورت ہے کہ جس نے میرے واسطے اپنے شوہر کو مارا اور پاؤ سیر یہ ہے کہ جس کا سر تمہاری گود میں کٹا۔ اپنے دل کی ترازو میں تول لو اور سچے من سے جواب دو! دیکھو تو کچھ تمہارے چھتر سے میزان ملتی ہے یا نہیں سچ کہو!"

جونہیں اُس نے وہ سر دیکھا وہیں شرمندہ ہوئی اور چاہتی تھی کہ گردن نیچی کرے کہ اتنے میں اُس نے تلوار کمر سے لی۔ پہلے تو وزیر کی بہو کا سر کاٹا۔ پھر اپنی بی بی کا کام تمام کیا۔ اور جب تک جیا پھر رنڈی کا نام نہ لیا۔

۲۸

سُنا ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے کہا کہ حضرت سلامت! ہم تمہارے سامنے قسم کھاتے ہیں اور قرآن سچ اُٹھاتے ہیں۔ اس بات پر کہ ایک عورت چودہ پندرہ برس کی نہایت حسین و خوبصورت ثانی اپنا نہیں رکھتی۔ یکتائے عصر و بے وارث و بے خطر، اور گردشِ چرخ سے اُس پر سرگردانی ہے۔ اگر تم کہو تو اُس عورت کو ہم تمہارے نکاح میں لاویں۔

اس بات پر وہ موذہورا ضی ہوا اور اس عورت کو اپنے نکاح میں لایا۔ بعد عقد خوانی کے جو دیکھا تو ایک دس برس کی چھوکری پھٹنی سی نظر پڑی کہ جس کے دیکھنے سے اُس کمبخت کا جی پھٹ گیا اور قدم اشتیاق ہٹ گیا۔ لاچار کیا کرے گلے پڑے بجائے سِدھ۔ باوجود اس رسوائی کے وہ بھی اس کے ہاتھ نہ لگتا تھا نہ لگی بلکہ اُس بلا کے ساتھ تو ایک خلقتِ کثیر نظر پڑی۔

آخر کار ایک دن اُس نے اپنی دلہنِ زشت رو سے پوچھا کہ "بی بی! تم تو بے وارث ہو نہ؟"

اُس نے کہا کہ "جی میں بے وارث ہوں میرا کوئی نہیں۔"

تب اُس نے کہا "یہ بی بو قندری تمہاری کون ہیں؟"

وہ بولی کہ "یہ میری ماں ہیں۔ ان کو ماں نہ کہوں تو کیا کہوں؟"

پھر اُس نے بی لو قندی سے پوچھا کہ "صاحب! یہ بی ہلوا خاتون تمہاری کون ہیں؟"

اُس نے کہا کہ "یہ میری ماں ہیں۔"

پھر اُس نے بی ہلوا خاتون سے پوچھا کہ "بی بی! یہ شاہ ڈھولا تمہارے کون ہیں؟"

اُس نے جواب دیا کہ "ان کو میرا خاوند اپنی عوضی دے گیا ہے۔"

پھر اُس نے شاہ ڈھولا سے پوچھا کہ "حضرت سلامت! یہ دتو کا سہرا تمہارا کون ہے؟"

اُس نے کہا کہ "یہ بی لو قندری کا منہ بولا کوئی ہے، جو دانا ہو سو سمجھے۔"

پھر اُس نے دتو کے سہرے سے پوچھا کہ "اَبے یہ دو تین لڑکے کس کے ہیں؟"

اُس نے کہا کہ "یہ لڑکے اُن کے ہیں کہ جن کی جورو کے ہم جواب ہیں۔"

اُس نے پوچھا کہ "تو ان کی جورو کا اب کون ہے؟"

اس نے کہا کہ "میں جو اُن کے سامنے تھا وہی اب ہوں۔"

پھر اُس نے اُن لڑکوں سے پوچھا کہ "صاحبزادو! یہ خالا ختیجا تمہاری کون ہیں؟"

اُنھوں نے کہا کہ "یہ اُن کی ماں ہیں جو ہماری ماں کے کچھ کہلاتے ہیں۔"

پھر اُس نے خالا ختیجا سے کہا کہ "بڑی بی! تم کون ہو جو اس حویلی میں آتی جاتی ہو؟"

یہ بات سُنتے ہی وہ آگ ہو گئی اور کہنے لگی کہ "آج تک ہمارا راز کوئی نہ جانتا تھا اور تم نے معلوم کیا کہ اب ہم تم کو حاکم کے پاس لے جاویں گے۔"

مثل مشہور ہے کہ اُلٹے چور کو توالے ڈانڈے جھوٹھے کے آگے سچّا رو مرے!

۲۹

سُنا ہے کہ ایک دن بادشاہِ گل اپنے بہار کے تخت پر بیٹھا ہوا چمن کی سیر کر رہا تھا کہ اتنے میں خزاں کے بادشاہ نے ایک نامہ اس مضمون کا لکھ کر اپنے وکیل کے ہاتھ بھیجا کہ "اے بادشاہِ گُل! بہت دن ہوئے کہ ہم نے تمہارے گلشن کی کیفیت نہیں دیکھی اور نہ تم سے ملاقات کی۔ اگر کہو تو اپنے تئیں تمہارے پاس پہنچاویں اور تھوڑی بہت سیر گلستاں کریں۔"

جس وقت یہ نامہ وہ وکیل لے کر وہاں گیا اور اُس بادشاہ کو دے کر آپ ہاتھ باندھ کر دور کھڑا ہو رہا۔

جوں ہی اُس نے وہ نامہ پڑھا اور کیفیت اُس کی دریافت کی۔ وہیں بے اختیار قہقہہ مار کر ہنسا اور زمانے کی کچھ اونچ نیچ نہ سمجھا کہ یہ کمبخت کبھی اپنا رنگ سفید کرتا ہے اور کبھی رختِ سیاہ پہنتا ہے۔ مارے غرور کے کچھ خاطر میں نہ لایا بلکہ ایک خط اس ڈھب کا لکھ کر اُس ایلچی کو دیا کہ "اے بادشاہ خزاں! کیوں اپنے حق میں کانٹے بوتے ہو اور کیوں برباد ہوتے ہو؟ اگر اِدھر آؤ گے تو بہت سے رنج اُٹھاؤ گے۔"

وہ ایلچی وہاں تو کچھ نہ بولا پر اپنے بادشاہ کے آگے آن کر پگڑی دے پٹکی اور یہ عرض

کرنے لگا کہ "جہاں پناہ! میں اپنی زبان پھرنے سے حمین کے تخت پر بٹھلا کر اپنے ملک چلا گیا۔ قطعہ

حقیقت میں قصہ یہ گو ہیچ نہ ہو | پر اتنا کہے دیتے ہیں تم سے ہاں
دِل اپنا کیا ہم نے خوش حیدری | کہاں کی بہار اور کیسی خزاں

۳۰

سُنا ہے کہ ایک شخص امیر خاں کی ڈیوڑھی پر گیا اور چوب داروں سے کہنے لگا کہ "تم جاؤ اور میری طرف سے یہ خبر پہنچاؤ کہ آپ کا ساڑھو آیا ہے اور ملاقات کی آرزو رکھتا ہے۔"

اُن میں سے ایک چوبدار گیا اور خاں صاحب سے عرض کرنے لگا کہ "خداوندا! ایک شخص درِ دولت پر آیا ہے۔ اپنے تئیں آپ کا ساڑھو کہتا ہے۔"

یہ سخن سُن کر خاں صاحب متفکر ہوئے اور محل میں جا کر بیگم سے پوچھنے لگے۔ "صاحب! آپ کی کوئی بہن بھی ہے کہ اس کا خاوند میری ملاقات کے واسطے دروازے پر کھڑا ہے؟"

اُس نے کہا "نہ صاحب! میں اپنے باپ کے گھر ایک ہی پیدا ہوئی تھی سو آپ کو بیاہی گئی۔ وہ جھوٹ بکتا ہے۔ مجھے اس سے رشتہ کیا ہے!"

غرض امیر خاں نے اسے خلوت خانے میں بلوا کر پوچھا کہ "صاحب! سچ کہو تم میرے ہم زلف کیوں کر ہو؟"

اُس نے عرض کی کہ "خداوندِ زماں! اللہ کی دو بیٹیاں۔ ایک دولت آپ کو بیاہی گئی مفلسی مجھ سے منعقد ہوئی۔"

یہ کلام امیر خاں کو نہایت پسند آیا اور ہزار اشرفی کا توڑا دلوا کر اُسے رخصت کیا۔

۳۱

سُنا ہے کہ کسی شہر میں ایک بادشاہ نہایت عادل و باتدبیر تھا اور دو لڑکے مانند ماہ منیر رکھتا تھا۔

ایک دن اُن لڑکوں نے عرض کی کہ "قبلہ عالمیاں! فلانے جنگل میں شیر نکلا ہے۔ اگر حکم ہو تو جاویں اور اُسے شکار کر کے حضورِ پُرنور میں لاویں۔"

بادشاہ اس بات سے خوش ہوا اور اُن کو رخصت دے کہ کہنے لگا کہ "بابا! اچھا صبح کو جانا شام ہوتے چلے آنا کیونکہ جب تک تم گھر نہ آؤ گے تب تک میرا دل جنگل ہی میں رہے گا۔"

غرض وہ لڑکے حضور سے مرخص ہوئے اور اُس جنگل میں جا کر شیر ڈھونڈھنے لگے۔ شیر تو نہ ملا۔ پر ایک ہرن چھلاوہ سا اُن کے آگے سے چل نکلا۔

یہ اُس کی خوبصورتی پر عاشق ہوئے اور گھوڑے ڈال کر پیچھے ہو لئے۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے یہ۔ یہاں تک گئے کہ اپنے لشکر سے چھوٹے۔ ہرن جاتا رہا۔ شام ہو گئی۔ تب تو ہراساں ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ "بھائی! اس جنگل میں رات کو رہنا اچھا نہیں۔ باگیں گھوڑوں کی چھوڑ دیجیے۔ تن بہ تقدیر جدھر یہ جاویں اُدھر چلے چلیے۔

یہ کہہ کر باگیں ڈھیلی کیں اور باہیں گلے میں ڈال کر ایک طرف کو راہی ہوئے۔ صبح کے ہوتے ہوتے کسی ملک میں جا نکلے۔ وہاں کے بادشاہ نے یہ قول کیا تھا کہ جو کوئی مسافر آج کے دن پہلے اس شہر میں آوے گا سو ہی میری لڑکی سے بیاہا جاوے گا۔

چنانچہ یہ دونوں گھوڑے سے گھوڑا ملائے، باہیں ڈالے آپہنچے۔ چوکیدار ان کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے وزیر سے کہنے لگا "نیت تو میری بر آئی پر اس جگہ حیران ہوں کہ ان میں سے شادی کس کی کروں؟"

وزیر نے عرض کی کہ "جہاں پناہ! ان سے خط و کتابت کا امتحان لیجیے، جو پڑھا لکھا ہو اسی سے شہزادی بیاہ دیجیے۔"

بادشاہ نے یہ بات سنتے ہی ان لڑکوں سے کہا کہ "لڑکو! تم بھی اپنا اپنا احوال لکھ کر حضور میں گذرانو۔"

آخر کار جو لڑکا پڑھا لکھا تھا اس نے تو روبرو ہی بیٹھ کر کیفیت شہزادگی اور حقیقت سفر کی مفصل لکھ کر بادشاہ کے زیر تخت رکھ دی اور جو ناقابل تھا سو مارے ڈر کے بیٹھ بھی نہ سکا۔ پڑھنا لکھنا تو معلوم بادشاہ نے اس کو صاحبِ علم سمجھ کر اپنی فرزندی میں لیا اور اس کو نادان جان کر جواب دیا۔

حاصل اس نقل سے یہ ہے کہ جو کوئی پڑھے لکھے گا سو کہیں محتاج نہ ہوگا۔ بیت

نہیں فخرِ مجلس میں بے علم کو — اگرچہ وہ شہزادۂ دہر ہو
اسے باعثِ علم دولت ملی — جہالت سے اس کو نہ عزت ملی
وہ مقبول خسرو ہوا بہرِ علم — رہا یہ جہالت سے محرومِ علم
ہوا علم کے وہ سبب نیک تخت — رہا یہ جہالت سے محرومِ تخت

جہاں میں جسے علم ہے حیدری
وہی سب سے رکھتا ہے نیک اختری

۳۲

سُنا ہے کہ ایک شخص بولی لنگڑی صرف و نحو سے کچھ واقف تھے۔ ملازمت اُن کی کسی صاحب عالی شان سے ٹھہری۔ جی میں اپنے اُنھوں نے یہ بات ٹھہرائی کہ صاحبِ عالی شان قدردان علم کے ہیں۔ پہلی ہی مُلاقات میں ہندی بات چیت اس لفّاظی اور لغت پردازی کے ساتھ کیجئے کہ علم کا تمام کمال اظہار ہو۔ اور اہلِ محفل کی آنکھ میں زیادہ اعتبار ہو۔

غرض گئے اور بعد ملازمت کے بیٹھے۔

صاحب والاشان نے پوچھا کہ "مزاج شریف؟"

اُنھوں نے عرض کی کہ "وفورِ افضال واہب ذوالجلال والاکرام سے قرینِ محامدت ہے۔

صاحبِ عالی طبع اس فقرے کو سمجھے تو پر واسطے اُن کی تربیت کے تجاہل سے دوبارہ پوچھنے لگے کہ "مزاج بخیریت؟" اس لئے کہ یہ سمجھیں کہ پہلا فقرہ جو میں نے مغلق بیان کیا تھا تو ثقالت سے ان الفاظوں کی سماعت پر ایک کوہِ سنگلاخ پڑا۔ اور معنی اُس کے بخوبی فہم میں نہ آئے۔ اب کی اس سلاست سے جواب دیجئے کہ جو ہندی زبان میں ضرور ہے۔

لیکن یہ تو کم بختی کے مارے اور ہی مشورہ دل میں کر کے گئے تھے۔ یہ یہ سمجھے کہ میں نے

جو ساتھ الفاظ عربی کے وہ فقرہ ادا کیا تھا صاحب عالی قدر نے قدر دانی سے علم کی دوبارہ مزاج پوچھا۔ پس لازم ہے کہ آپ کی اس مضمون کو اوریہی الفاظ کے ساتھ بیان کیجئے تاکہ قدرت علم کی کثرت کے ساتھ معلوم ہو۔

اُنھوں نے التماس کیا "تراکمِ انعاماتِ منعم لایزال سے ہمدوشِ شاہدِ مسرت ہے۔"

صاحب ظریف الطبع نے سُن کر فرمایا کہ "معلوم ہوا آپ کی سواری میں رت ہے کچھ پروا نہیں۔ رستے یہاں کے صاف ہیں اور بازار کشادہ۔"

اُنھوں نے کہا کہ "نعوذ باللہ منہا تخیلہ بھی رکوب رت کا الی یومنا ہذا تخیلِ ذہنی نہیں ہوا کیونکہ تکلیف شاقہ ثلاثہ ذی حیات سیما ذوی العقول کہ عبارت ثوران و واحد بنی نوع انسان سے ہے۔ آسائش نفس آمارہ کے واسطے بعید از انصاف ہے۔"

صاحب خوش طبع نے یہ فقرہ سن کر اور دل میں مارے ہنسی کے غش ہو کر کہا کہ "اتنا تو آپ کے کہنے سے معلوم ہوا کہ عید قریب آئی اب وہ کون سا بازار ناصاف ہے جہاں رت نے تکلیفِ شاقہ اٹھائی۔

اُنھوں نے کہا کہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ اصلاً لسان وشفتین کو مذاکرہ ضحیٰ و فطر میں بالفعل نہیں مدخل اور ہر ساحت شوق اُس بلدے کا سحرِ سطحے بجنجل ہے۔"

صاحب خوش مزاج نے سن کر فرمایا کہ جل جس قدر چاہیئے موجود ہے مگر یہ کہیئے کہ رت کے بیلوں کو پلوائیے گا یا اس کے خس کے پردوں پر چھڑکوائیے گا۔"

تب تو وہ نہایت جھنجھلا کر بولے کہ "میں جو کہتے ہیں سو آپ کی سمجھ میں نہیں آتے۔"

یہ فقرہ صاحب موصوف سُن کر بے اختیار قہقہہ مار کر ہنسے اور کہنے لگے کہ "مہربان پہلے ان بولیوں پر آئیے اور اس لہجے سے کچھ فرمائیے۔ آپ جو ناحق عربی کا سر کاٹ کر فارسی

کے دھڑ پر اس وقت سے جوڑتے ہیں۔ ہندی کی ہڈی پسلی بھی تو بخوبی تمام توڑتے ہیں۔ پہلے اس کی کچھ دوا کر لیجیے۔ پیچھے اس کا توڑ جوڑ کیجیے۔

غرض اس بات کے سنتے وہ خجالت کھینچ کر اپنے گھر گئے اور شرمندہ ہو کر بیٹھ رہے۔

قطعہ ۵

خموشی ہی بہتر ہے اے حیدری نہ کر اس کی تقریر کا کچھ بیاں
تلفظ سے اُس کے ہوا منکشف کہ بہرہ نہیں علم سے اُس کو ہاں

۳۳

سُنا ہے کہ ایک عورت نے اپنی دائی سے کہا کہ "ماما! تم جاؤ اور چوک سے ایک فقیر مداری لگا لاؤ۔ آج جی میں ہے کہ شراب پئیں اور بدمستیاں کریں۔"

چنانچہ وہ گئی اور پانچ روپے پر ایک ملنگا لگا لائی۔ یہ تعشق میں تو بھری تھی ہی بے اختیار اُس سے اختلاط کرنے لگی کہ اتنے میں اُس کا خاوند دروازے پر آیا اور دستک دینے لگا۔

تب تو وہ گھبرائی اور فقیر سے کہنے لگی کہ "شاہ جی! میں جب تک جیوں گی تمہاری لونڈی ہو کر رہوں گی۔ اس وقت یہ احسان کرو کہ تم اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاؤ اور اس صحن میں بطور چراغ دان کے رہ جاؤ۔ وہ کچھ تو ڈرا اور کچھ اُس کے کہنے میں آ گیا۔ اسی طرح سے ہاتھ اونچے کر کے کھڑا ہو رہا۔ اور اس عورت نے اس عرصے میں ایک پیڑا آٹے کا اُس کے سر پر دھر کر ایک چراغ روشن کر دیا۔ اور دروازہ کھول کر کہنے لگی کہ "اجی! تم جلدی آؤ ایک تماشا دیکھو" وہ جو گھر میں آیا تو اس مرد کو بطور چراغ دان کے دیکھ کر کہنے لگا کہ "یہ کیا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "میرے میکے کے بڑھئی نے از راہِ ٹھٹھول یہ چراغ دان بصورتِ انسان بنا کر تمہارے پاس بھیج دیا ہے کیونکہ وہ جو میرے میکے کا ہے تو اس واسطے تم سے ٹھٹھا کرتا ہے

اور اُس تے بھی جو اُس کو لغور دیکھا تو انسان سے کچھ فرق نہ پایا۔ تب تو اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ "اس کو بادشاہ کے پاس لے جاتا ہوں، اسی کے سبب سے اُس بڑھئی کی تقریب کرتا ہوں۔ اگر بادشاہ اس سے خوش ہوگا تو اس کاری گر کو نہال کردے گا۔"

یہ کہہ کر جوں ہی چاہے کہ اُسے اُٹھا کر صندوق میں رکھے کہ وہیں وہ وہاں سے پتّا ہوا۔ اس احوال پر اُس نے ایک وقت کھینچی اور اپنی بی بی سے یہ بات کہی کہ "صاحب ایسا بھی چراغ دال ہوتا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "جی! یہی تو اُس کی حکمت تھی کہ جب کوئی اُسے چھوڑے تب ہی وہ بھاگ جاوے!"

۳۴

اشتیاق نامہ

اے گلدستۂ گلشن امید و کامرانی واے سرو خوش خرام باغ نوجوانی واے مرجانِ دُرجِ آشنائی و لولوئے بحرِ دلربائی! بیچ اس چمنِ ہستی کے سرسبز و خوش خرام قمری وار زیر سایۂ لُطفِ پروردگار تا قیام لیل و نہار ممتاز و سرفراز فضلِ خدا سے رہیو!

بعد سلام نیاز و آرزوئے مُلاقات جسمانی اُس عیسیٰ دم کی کہ جاں بخش اُس کُشتۂ خنجر مفارقت کی ہے واسطے ظاہر ہونے کے لکھا جاتا ہے۔ بیت ؎

بھولنا شرطِ مودّت نہیں ہم کو کہ ہمیں یاد تیری ہے دو عالم کی فراموشی میں

خدا شاہدِ حال ہے کہ جس روز سے یہ تیرہ بخت اُس مہر طلعت سے جُدا ہو کر اوپر خاک تنہائی کے پڑا ہے اُسی دن سے اوپر اس نیم بسمل ناوک خوردہ اُس کمانِ ابرو کے ہر روز روزِ محشر ہے اور ہر شب شبِ قیامت۔ دوہرا ؎

آٹھ پہر چوسٹھ گھڑی پکاروں پیو پیو جیسے کھال لُہار کی سانس لیت بن جیو

اے جاں آرام دہ دل وجاں! یہ نیم جاں کب تک آتشِ الم تنہائی سے جلے اور کہاں تک

دریائے سرشکِ غم میں غوطہ خوری کرے۔ پس واسطے خدا اور رسولؐ کے کہ حق تعالیٰ نے تجھ کو اوپر اس تشنۂ دیدار کے ابرِ رحمت کیا ہے۔ دور از لطف و مہربانی و اخلاقِ جاودانی سے ہے کہ مزرعِ امید اس نا امید کا اپنے ابرِ احسانِ دُربار سے نا امید رکھے، یہ امید نہ تھی۔ بیت ؎

کبھو شدّت بگولے کی کبھو صرصر کی زحمت ہے
ہماری خاک یوں اُڑتی پھرے اے ابرِ رحمت ہے

اور یہ غزل ہر شام و صبح بہ طورِ دعا کے پڑھتا ہے ؎

ہے شبِ تیرہ ٹک اے شمعِ درخشاں مددے
راہ گم کردہ ہوں اے خضرِ بیاباں مددے

خارِ فرقت سے ہوا ہے یہ دل افگار ز لُطف
بر سرِ غنچۂ دل اے گُلِ خنداں مددے

بے ترے بزمِ جہاں مجھ کو ہوئی ہے تاریک
ہے کہاں بہرِ خدا شمعِ شبستاں مددے

آتشِ ہجر تو پہنچی ہے جگر کے نزدیک
جائے تاخیر نہیں دیدۂ گریاں مددے

تیغِ ابرو نے مجھے گو کہ سسکتا چھوڑا
تو تو ناکام نہ رکھ خنجرِ مژگاں مددے

دل مرا چاہِ زنخدانِ صنم میں ڈوبا
بہرِ حق اے رسنِ زُلفِ پریشاں مددے

تیغِ حسرت نے رکھا کھیت جہاں میں مجھ کو
بر سرِ کُشتۂ غم شاہِ شہیداں مددے

بہرِ حق، بہرِ نبیؐ، بہرِ علیؓ، بہرِ بتولؓ
بہرِ حسنین ٹک اے شاہِ خراساں مددے

ہے ترے حیدری کو لشکرِ اعدا گھیرے
فاتحِ بدر و حنین اے شہِ مرداں مددے

اور یہ بھی اشعار اُستاد کے کبھی پڑھنے میں آتے ہیں ؎

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا
لذّت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا

تصویر مری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی
انداز سمجھ اُس کا بہزاد بہت رویا

اگرچہ کریم کارساز حقیقی نے اس گرفتارِ روزگار کو اس شہرِ بیگانے میں روزگار بالفعل ساتھ

عز و وقار کے دیا اور مرتبہ اس ذرّۂ بے مقدار کا اپنی مہر کریمانہ سے دہ چند کیا۔ بیت ؎

کیا کریں گائے کے واعظ ہاتھ سے حوروں کے جام　　　ہوں ہیں ساغر کش کسی کی نرگسِ مخمور کا

حیف صد حیف کہ تجھ سا صیّادِ جہاں اس صیدِ جاں برشتہ اپنے سے غافل ہو قیامت اِس کو کہتے ہیں۔

اے وائے بر اسیری کز یاد رفتہ باشد　　　در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

آواز تیشہ امشب از بے ستوں نہ آمد　　　شاید بخواب شیریں فرہاد رفتہ باشد

اور جدائی ان دونوں لختِ جگروں کی جس قدر شاقی ہے، کیفیت اُس کی بخوبی نہیں لکھی جاتی ہے۔ غرض خط و کتابت سے ہاتھ کھینچا اور اس بیت پر اکتفا کیا۔ بیت ؎

غیر کی کھوکھ[1] کو نہ ایذا دو　　　اپنی چھاتی پہ ہاتھ دھر دیکھو

ہر چند شہسوارِ طبع نے کمیتِ خامہ کو اوپر صفحۂ مضمونِ ملاقات ان دونوں نور البصروں کے دوڑایا پر ایک نکتہ بھی ملاپ کا سھوانہ پایا۔ آخر الامر لگام اشہبِ خیال تیز گام کی ہاتھ سے دے کر زینِ امید سے اُترا اور زمین وادیِ بے قراری پر بیٹھ کر مانند ابرِ بہار کے خوب زار و نزار رویا اور یہ شعر اوپر زبان کے لایا۔ بیت ؎

جفا مکن کہ خدا قادر است گر سازد　　　ولم بجائے دلِ تو دلت بجائے دلم

اور یہ قطعہ ہر صبح و شام سامنے پیک صبا کے پڑھتا ہے اس واسطے کہ وہ رحم کرے اور کوچۂ جاناں میں اسے لے جاوے۔ قطعہ

یہی پیغام درد کا کہنا　　　گر کوئی کوئے یار میں گزرے

کون سی رات آن ملیئے گا　　　دن بہت انتظار میں گزرے

جو کوئی اس خط کو پڑھے اور اُس قاتل بے رحم کو سمجھاوے تو اُس کی مشکل کشائی دونوں جہان میں مشکل کشا کرے۔ بحق محمدؐ و آل محمدؐ۔

---

[1] کوکھ

۳۵

سُنا ہے کہ خواجہ محمود دِپوستی سے ایک دن بادشاہِ سلطنتِ گیتی نے پوچھا کہ "اے خواجہ محمود پوستی! تو بھی اپنی اتنی عمر میں کسی جنگ وجدل میں گیا ہے؟"

خواجہ محمود دِپوستی نے یہ سخن سنتے ہی جناب فیض مآب میں جبین خدمت کی اور زمین عبودیت کے رگڑ کر یوں عرض کی کہ "اے شاہِ جہاں! سکندر طالع و اے اکبر زماں! عالمگیر دوراں و اے نوشیروانِ عادل زماں! در ایامِ بلوغیت بیچ نشۂ پوست کے تھا کہ ایک آندھی مغرب کی طرف سے اُٹھی اور قصد مشرق کا کیا۔ اسی عالم میں شورِ آندھی کا میرے کان میں گزرا مجھ کو اِس خیال میں یوں سوجھی کہ شاید یہ شور کسی ڈاکے کا ہے۔ بیت ؎

در بیشہ[1] گماں مبر کہ خالی ست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

اُسی عالم میں گھوڑۂ قند پر سوار ہوا۔ اور نیزہ نیشکر کا ہاتھ میں لے، بیٹی کا پر تلا گلے میں ڈال، دندان مصری کی تلوار کاندھے پر رکھ۔ کلاخرے کی بندوق۔ نُقل کی گولیاں۔ بتاشے کے پٹاخے، پیڑے کی کمر سے لگا کر مصری کے پہاڑ پر جا چڑھا اور یہ قطعہ پڑھنے لگا۔ قطعہ

اے کہ شخص منت حقیر نمود   تا درشتی ہنر نہ پنداری

---

[1] ہر

اسپ لاغر میاں بکار آید   روزِ میداں نہ گاوِ پرواری

اور وہاں کے پہاڑیوں سے جو لڑائی ہوئی تو خوب لڑائی ہوئی۔ اُدھر سے بھی اگبری ریوڑیوں کے چھرے آتے تھے۔ در بہشت کی سلیں پڑتی تھیں نکتیوں کا مینہ برستا تھا۔ آخر سیلابی غسل سے نہ ٹھہر سکا وہاں سے بھاگ کر کھجلے کی سرائے میں جا چھپا، وہاں پکڑا گیا جلیبی کی بیڑیاں کنگنی کی ہتھکڑیاں ڈال کر حلوے کے جھلے میں خوب چھلا گیا۔ حاصل کلام راب کے حوض میں غوطے دے کر شربت کے دریا میں بہا دیا۔ اس وقت یہ شعر اُدھر زبان کے لایا شعر ؎

دریا میں لے کے لاش کو میری بہا دیا   قاتل نے میرے خون کا یہ خوں بہا دیا

چار پہر رات بہتے بہتے، صبح کے ہوتے ہوتے امرتی گھاٹ جا لاگا۔ وہاں کے لوگ گپ چپ آئے اور خبر اس مجروح کی لے کر چلے گئے۔ آخر کار یہ انگار آہستہ آہستہ جا کر سفید جینے کی ریتی پر تڑپنے لگا۔ اور یہ شعر پڑھنے لگا۔ بیت ؎

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام   ہم ذرہ بھی تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

اور یہ سخن دم بہ دم اُدھر زبان کے لاتا تھا کہ کوئی شخص ایسا مردِ خدا کا ملے کہ اس مجروح کی خدمت اس طرح سے کرے کہ اول بڑھیا کے کاتے کا سوت لاوے اور سوزن رگِ نبات کی بنا کر ان زخموں کو سی دیوے۔ بعد ازاں فرنی کا مرہم، مانڈھے کی پٹیاں اِن زخموں پر لگاوے اور شیرِیں کا اُبٹنا بدن میں مَل کر گُل قند ہر صبح و شام چٹایا کرے کہ جس سے قوتِ دلی حاصل ہووے۔

آخر الامر کوئی شخص ایسا پیدا نہ ہوا اور اُس کا بھی نشہ اُتر گیا لیکن دردِ سر باعثِ خمارِ نشہ سے اب تک ہے۔ اگر کچھ شیرینی سرکار فیض آثار سے عنایت ہو تو صحتِ کلی حاصل ہو کہ حدیث شریف سے معلوم ہوا ہے۔ حدیث المومن حلوی یحب الحلوا۔

۳۶

قصّہ در بیان سراپا حُسن و پوشاک و زیور دلربا کہ بیچ نثر ہندی کے لکھا گیا۔

سُننے سے معلوم ہوا کہ کیا زبان ہے۔ جوان اچھا خاصا بینڈا، ٹیڑھا، بُکھا، ترچھا ؎

جہاں راستی چاہیے راستی — کجی جس جگہ چاہیے واں کجی

بندرومی پیجامہ، لپٹے جھپٹے کا ازاربند، جالی کی کرتی۔ تڑاقے کی انگیا، بنت کا کام، مِسّی کی دھڑی، پانوں کا لکھوٹا، بالوں میں تیل، کنگھی کھنچی ہوئی۔ ابیات ؎

وہ کنگھی کھنچی یوں صفائی کے ساتھ — کہ ہو رشک سے جس کے دو ٹکڑے رات

وہ موتی تھے اُس مانگ کے یوں عیاں — شب تیرہ میں جس طرح کہکشاں

بیڑ، بیٹا، ٹیکا، ٹِکی، بالا، بالی، جھمکی، لونگ، دولڑا، نکڑا، اچھوٹا، اچاڑہ، اجگنیوں، جہاں کلی، ہیکل دھگ دھگی، مرواریدکے مالے۔ بیت ؎

وہ موتی کے ہار اُس کے ایسے ہرے — جو دیکھے گلے کا وہ ہار ہو رہے

اسکے نو گلے بھجبند ابیات ؎

طلائی وہ بانک ایسے تھے بگ بڑے — ہلال اُس کو دیکھے تو مجرا کرے

جڑاؤ کڑوں کا کروں کیا بیاں   جہانگیریاں جس سے کرتیں فغاں

وہ پہونچی جو دیکھے سیہ کر کہیں   اُسے ناگنی کھیل جاوے وہیں

چھلّے پور پور پڑے ہوئے، مہندی ہاتھ پاؤں میں لگی ہوئی۔ جھڑی جگنو جڑی میں لئے مغرّق کفش

پہنے خراماں اُس سروِ خوش خرام کو بیچ چمنستاں کے دیکھا، اہاہاہا اہاہاہا

۳۷

سُنا ہے کہ ایک دن شیخ چلّی اپنی زندگی سے تنگ ہوئے اور ماں سے کہنے لگے کہ

"اماں جان! کوئی ایسی تدبیر بتلاؤ کہ جس سے ہم اس جینے کے ہاتھ سے چھوٹ جاویں اور بے آئی مر رہیں"

یہ بات سن کر وہ نیک بخت ہنسی اور کہنے لگی کہ "بیٹا مر جانے میں کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ تم کسی دھلی قبر میں جا لیٹو اور آنکھیں بند کر کے مر رہو۔"

یہ سخن سُنتے ہی وہ گئے اور ایک قبر میں لنبے ہو کر لیٹ رہے۔

قضا کار اُس دن ایک سپاہی اپنے کندھے پر ایک گھڑا تیل سے بھرا ہوا رکھے چلا جاتا تھا اور مارے ماندگی کے ہر ہر قدم پر بیٹھ بیٹھ جاتا تھا۔

آخر کار یہ خیال اُس نے اپنے جی میں ٹھہرایا اور یہ کلمہ بہ آواز بلند اُس جنگل میں زبان سے ادا کیا کہ "اگر کوئی مزدور اس میں ہو تو وہ دو پیسے اپنی مزدوری کے لے اور یہ گھڑا میرے گھر پہنچا دے۔"

یہ بات سُن کر شیخ چلّی اُس قبر سے بولے کہ "بھائی جب جیتے تھے تب کما کھاتے تھے اب تو موئے پڑے ہیں۔ محنت کیا کریں۔"

یہ صدا سُنتے ہی وہ سپاہی بے قرار ہوا اور جست بہ جست مزدور کی بجوئی کرنے لگا۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص قبر میں لیٹا ہے۔ کبھی سر اُٹھاتا ہے۔ کبھی آنکھیں جھپکاتا ہے

غرض اُس نے انہیں قبر سے کھینچا اور گھڑا سر پہ رکھ دیا۔ تب تو وہ گھبرائے اور کہنے لگے کہ یہ کیا زمانہ

ہے کہ موئے پر بھی چین نہیں پاتے۔ ہم آج ہی مرے ہیں۔ مزدوری کیا خاک کریں؟"

یہ بات سُن کر وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ "چپ! یہ مثل تو نے نہیں سُنی مردہ بدست زندہ،

مجھ سے یہ دو پیسے لے اور یہ گھڑا میرے گھر پہنچا دے۔"

بارے پیسوں کے نام سے خوش ہوئے اور یہ مشورہ اپنے جی میں کرنے لگے کہ یہ سپاہی مجھے

دو پیسے مقرر دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی ان پیسوں کی مرغی لوں گا اور اُس کے انڈے بچے بیچ کر

ایک بکری لوں گا اور اُس کے بچے بیچ کر گھوڑا لوں گا اور بادشاہ کی نوکری کر کے شادی کروں گا

یقین ہے کہ پہلے ہی برس لڑکا ہوگا۔ اور خدا کے فضل سے جب آن کئے برس میں پاؤں ڈالے اور

ایک روپیہ مجھ سے پتنگ اُڑانے کو مانگے۔ اُس وقت میں خدا جانے کہاں سے بھوکا پیاسا آیا ہوں گا

گھڑک دوں گا کہ مرغے چپ!"

یہ کہتے ہی تھے کہ وہ گھڑا سر سے جدا ہوا اور زمین پر گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

یہ حالت دیکھتے ہی وہ غریب رویا اور کہنے لگا کہ "بھائی! نہ تو ریشا نہ تو نے ٹھوکر کھائی۔

میری کمائی کیوں خاک میں ملائی۔ برائے خدا یہ کیا کیا؟"

یہ سُنتے ہی وہ بھی روئے اور بہ آواز بلند کہنے لگے کہ "صاحب! آپ کا تو ایک گھڑا ہی گرا

اور میرا تو کیا کرایا گھر گیا۔ میں اسی فکر میں ہوں کہ اب کیا کروں؟"

یہ کہہ کر ایک سرد آہ بھری اور اپنی خام خیالی ظاہر کی۔

تب تو اُس نے معلوم کیا کہ یہ حضرت شیخ چلی ہیں ان سے کیا لیں۔ یہ سمجھ کر ان کا پیچھا

چھوڑا اور اپنے گھر کا رستہ پکڑا۔

۳۸

سنا ہے کہ ایک دن کسی بادشاہ نے یہ حکم کیا کہ جو کاری گر کسی چیز کی جھلم تیار کرکے لاوے اور وہ میری تلوار سے نہ کٹے تو اس سے خوش ہوں اور ہزار اشرفی انعام دوں۔

چنانچہ ایک لوہار فولاد کی جھلم تیار کرکے بادشاہ کے پاس لے گیا اور عرض کرنے لگا کہ "جہاں پناہ! یہ جھلم حاضر ہے، تلوار لگائیے اور آزمائش کیجیے۔"

یہ عرض سنتے ہی بادشاہ نے ایسی تلوار ماری کہ اُس جھلم کی ایک کڑی بھی ثابت نہ چھوڑی اور ارشاد کیا کہ اقرار یہی تھا کہ جس کی جھلم میری تلوار سے نہ کٹے گی اُس کو ہزار اشرفی کی تھیلی حضور سے ملے گی۔"

غرض وہ غریب اسی طرح سے کئی بار بنا بنا کر لے گیا اور اُس کی تلوار سے کٹوا کٹوا کر لے آیا۔

ایک دن اُس کی بیٹی نے پوچھا کہ "باباجان یہ کیا کہ جو تم دو تین مہینے میں ایک چیز درست کرتے ہو اور ایک گھڑی میں اُس کے ٹکڑے کروا لاتے ہو؟"

اُس نے کہا کہ بیٹا! جب میری جھلم بادشاہ کے ہاتھ سے نہ کٹے گی تب مجھ کو ہزار اشرفی

کی تفصیلی انعام ملے گی۔ اس امید پر یہ محنت کرتا ہوں اور اس مصیبت کو اُٹھاتا ہوں۔

اُس نے کہا کہ "اگر ایسی ہی بات ہے تو اس جھلم کو آج میں لے جاتی ہوں اور بادشاہ سے عرض کرتی ہوں کہ 'جہاں پناہ! اگر مرد ہو تو اس کو کاٹو'۔"

غرض وہ اس جھلم سے آراستہ ہوئی اور جا کر بادشاہ سے عرض کرنے لگی کہ خداوندا! میں لوہار کی بیٹی ہوں اور ایک جھلم اپنے تن پر سج کر حضور عالی میں آئی ہوں۔ خداوندا اس پر تلوار لگائیں۔ اور اگر یہ نہ کٹے تو انعام دیں اور کٹے تو پھر جو چاہیں سو کریں۔"

بادشاہ نے اس سخن کے سنتے ہی چاہا کہ سیف کھینچے اور اس عورت سمیت جھلم کے دو ٹکڑے کر دے کہ اتنے میں اس نے بھی بغل سے نیمچہ لیا اور کہا کہ حضرت خبردار! اگر آپ اس جھلم پر تیغ لگائیں گے تو بے ادبی معاف، آپ بھی ایک زخم اس نیمچے کا اُٹھائیں گے۔"

جوں وہ للکاری ووہیں تلوار بادشاہ کے ہاتھ سے گر پڑی۔ نہ اُس جھلم تک وار پہنچا نہ اُس پر خط پڑا اور بادشاہ بھی ششدر ہو گیا۔

تب تو وہ لڑکی آداب بادشاہی بجا لائی اور یہ قطعہ پڑھنے لگی قطعہ ؎

گو بنا رستم وہ تنہا اپنے گھر میں بیٹھ کر
شیر قالیں کے اُکھاڑے اس نے گو چھاتی کے بال

مرد ہم کہتے ہیں اُس کو وقت پر میدان میں
اپنے سینے کو کرے جو خنجرِ اعدا کی ڈھال

حیدری سن کر تمہاری نثر یہ کہتی ہے خلق
اس سخن کو حشر تک رکھے تمہارے ذوالجلال

بادشاہ نے اس کی دانائی سے ایک حظ اُٹھایا اور موافق ارشاد کے انعام دلوایا۔

۳۹

سُنا ہے کہ ایک شخص اپنے لڑکے کو کسی بزرگ کے پاس لے گیا اور عرض کرنے لگا کہ پیر و مرشد! اس ناخلف کو حضورِ خاص میں رکھیے اور تعلیمِ انسانیت دیجیے کہ جس سے یہ اشراف بنے اور میرا نام رکھے۔

یہ بات سُن کر اُس بزرگ نے کہا کہ بابا! اچھا اسے یہاں چھوڑ جاؤ۔ خدا فضل کرے گا تو یہ ہر طور آدمی ہو رہے گا۔

غرض اُس نے اُس لڑکے کو وہاں چھوڑا اور آپ اپنے گھر کا رستہ پکڑا۔

بعد دو چار دن کے حضرت نے ارشاد کیا کہ "میاں لڑکے! دُنیا بے بنیاد ہے اور عرصہ زندگی کا تنگ۔ جس سے بہتر یہی ہے کہ بدی سے ہاتھ اُٹھاؤ اور نیکی پر قدم بڑھاؤ۔ اگر نیکی کرو گے تو اشراف بنو گے اور بھلوں میں شمار کیے جاؤ گے۔ یہ سخن ہمارا سنو اور خصلت ہماری سیکھو!"

وہ لونڈا تو دریدہ دہن اور زبان دراز تھا بول ہی اُٹھا کہ "حضرت سلامت! آپ کے کہنے پر اسے ایک شعر سوجھا ہے سو ادا کرتا ہے۔ شعر ؎

شیخ کی صحبت میں گر چلّے کوئی کھینچے ہزار　　　آدمی ہوتا نہیں پر شیخ چلّی ہو تو ہو

۴۰

سُنا ہے کہ ایک شہزادی نے اپنی خواص سے کہا کہ "یہ ٹوپی جواہر کی تو لے جا اور جس لڑکے کو خوبصورت اور نیک بخت دیکھے اُسے پہنا کر لے آ"

غرض وہ گئی اور اپنے ہی لڑکے کو کہ وہ نہایت بدشکل و کریہہ منظر و یک چشم تھا۔ اُس بدبخت کو پہنا کر لے آئی۔

شہزادی نے پوچھا کہ "یہ کیا؟"

اُس نے عرض کی کہ "صاحب مخدومہ نے یہ مثل نہیں سُنی کانی کو کانا پیارا، رانی کو راجا۔"

۴۱

سُنا ہے کہ ایک بادشاہ اپنی بیگم کے ساتھ بیٹھا ہوا جھروکے سے دریا کی سیر کر رہا تھا کہ اتنے میں اُس نے اپنی بیگم سے پوچھا کہ "اجی تم مجھے کتنا پیار کرتی ہو؟"

اُس نے کہا کہ "جتنا تم مجھ سے۔"

اُس نے کہا کہ "ہو سکتا ہے۔"

وہ اسی گفتگو میں تھے کہ ایک اہیرنی سر پہ دودھ کی مٹکی دھرے ہوئے شہر کی طرف چلی جاتی تھی اور قدرے خوب صورت بھی تھی۔

بادشاہ نے کہا کہ "بیگم یہ اہیرنی اس قابل ہے کہ میرے ساتھ اس مسندِ شاہی پر بیٹھے نہ کہ ننگے پاؤں بوجھ لئے دھوپ میں دربدر پھرے۔"

بیگم نے یہ سُنتے ہی اپنی خواص سے کہا کہ تو جا کر اُس عورت سے کہہ کہ "ہمارا بادشاہ مر گیا۔"

غرض وہ گئی اور بیگم نے جو کہا تھا سو اُس سے دُہرانے لگی۔

یہ خبرِ وحشت اثر سنتے ہی اُس نے وہ مٹکی سر سے دے پٹکی اور بے اختیار رو رو کر جنابِ الٰہی میں فریاد کرنے لگی کہ "خدایا ایسا بادشاہ ہمارے سر سے کیوں اُٹھایا؟"

اس احوال کو اُس خواص نے اُن دونوں سے آکر عرض کیا۔

اگرچہ وہ بھی اس واردات سے واقف تھے کہ اتنے میں ایک گھسیاری اپنے سر پر گٹھا گھاس کا رکھے ہوئے چلی جاتی تھی اور بدشکل بھی تھی

بادشاہ نے اُسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا اور کہا کہ "لاحول ولا قوۃ۔ یہ بھی کوئی عورت ہے جو اس شہر میں آتی ہے۔ میں خدا سے ڈرتا ہوں ورنہ اس زشت رو کو اپنے ملک سے نکلوا دوں۔"

بیگم نے پھر اُس خواص سے کہا کہ "تو جا کر اس سے بھی کہہ کہ ہمارے بادشاہ نے اس جہاں سے کوچ کیا۔"

اُس نے اُسی طرح سے جا کر اُس سے کہا کہ "بادشاہ ہمارا سفر کر گیا۔"

اُس نے جواب دیا کہ "بھٹ گیا۔ خدا میرے ہاتھ پاؤں کو سلامت رکھے کہ جن کے باعث سے گھاس کھودتی ہوں اور چل پھر کر بیچ لاتی ہوں۔"

اُس خواص نے آکر یہ بھی ماجرا ظاہر کیا۔

اگرچہ وہ اس بات سے بھی واقف تھے۔ پھر تو بیگم ہنسی اور کہنے لگی کہ "کیوں جہاں پناہ دیکھا! مثل مشہور ہے جتنا تم مجھے اتنا میں تمہیں۔"

۴۲

سُنا ہے کہ ایک وزیر اپنی بیٹی کی شادی نہ کرتا تھا۔ اس واسطے کہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا بلکہ یہی کہتا تھا کہ میں اپنی لڑکی کو اُسی سے بیاہوں گا کہ جس کو اپنے کوٹھے پر خُدا کا بھیجا ہوا پاؤں گا۔"

قضا کار ایک دن ایک ایسی آندھی چلی کہ وہ ایک چمار کو کسی چمر ہٹے سے اُڑا کر اس کے بنگلے پر ڈال گئی۔

خواصوں نے جو دیکھا تو عرض کی کہ "خداوندا ایک شخص آپ کی خاص بارہ دری میں پڑا ہے، شاید کہ وہ فرستادۂ خدا ہے۔"

یہ خبر سن کر وہ بہت خوش ہوا اور اُسی کے ساتھ اپنی لڑکی کو بیاہ دیا۔

بعد دو چار دن کے پوچھا کہ "میاں! تم کون ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ ظاہر کرو۔"

اس نے کہا کہ "میں چمار ہوں، چمر ہٹے میں رہتا ہوں، چماری کرتا ہوں، چمڑو نام رکھتا ہوں۔"

یہ احوال سُن کر وہ نہایت شرمندہ ہوا اور سر جھکا کر افسوس کرنے لگا۔

کسی نے عرض کی کہ "حضرت سلامت! یہ مثل آپ نے نہیں سُنی: جتنا چھانے گے آٹا کرکرا کھاؤ گے۔"

۴۳

سُنا ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس دس بیس لاکھ سوار و پیادے کی بھیڑ بھاڑ تھی اور ایک کے پاس ساٹھ ستّر ہزار کی جمعیت!

قضا کار ایک دن دونوں سے کسی میدان میں مقابلہ ہوا۔

وہ تو اس کی فوج کثیر کو دیکھ کر ڈرا اور وہ اُس کی سپاہِ جزویات پر ہنسا اور کہنے لگا کہ ”استغفر اللہ! یہ تو کیا ہے کہ جس سے لڑوں؟ میں تو وہ ہوں کہ لشکرِ ملک کو بھی شکست دوں“

جوں ہی یہ کلمۂ غرور اُس کے منہ سے نکلا وہیں اُس کے رسالداروں میں سے ایک نے ایسا کاٹ مارا کہ وہ گھوڑے سے گرا اور سرد ہو گیا۔

لشکر نے اس کے پیٹھ دکھلائی اُس کی فوج نے فتح پائی۔

مثل مشہور ہے۔ بڑے بول کا سر نیچا۔

۴۴

سُنا ہے کہ ایک عورت اپنے تئیں پارساؤں میں گنتی تھی اور اپنے خاوند کے سامنے بھی عِصمت رکھتی تھی اور باطن میں تو یہ حال تھا کہ اگر ایک چھوڑتی تھی تو سو سو کرتی تھی۔

ایک دن شب کو وہ اپنے خاوند کے ساتھ سوتی تھی کہ اتنے میں اُس کے یار نے پچھواڑے سے دستک دی اور وہ آوازِ دستک سن کر چونکی اور اپنے جی میں کہنے لگی کہ "اب کیا کروں؟ کیونکر اُس کو بلاؤں؟ اور کس طرح اِسے نکالوں؟"

اسی سوچ میں تھی کہ سوجھی۔ وہیں ایک دوہتڑ مار کر کہنے لگی کہ "اجی سوتے کیا ہو؟ اُٹھو، خدا کے واسطے مجھے مار ڈالو کیونکہ جس عورت کا ہاتھ غیر پکڑے اس نیک بخت کی خواہش غیر مرد کرے۔"

یہ بات سنتے ہی وہ اُٹھا اور کہنے لگا کہ "خیر تو ہے؟"

اُس نے کہا کہ "میں ابھی سوتے سوتے کیا دیکھتی ہوں کہ ایک باغ خوش قطع میں گئی ہوں اور سیرِ گل بخوبی کر رہی ہوں کہ اتنے میں ایک مردِ اجنبی نے آکر میرا ہاتھ پکڑا اور قصدِ بے حرمتی کا کیا، اگر اس دہشت سے میری آنکھ نہ کھلتی تو یقین تھا کہ میں عین خواب ہی میں مر جاتی یا بے حرمتی ہوتی۔ خدا کے واسطے تم تلوار کھینچو اور مجھے مار ڈالو۔"

یہ بات سن کر وہ خوش ہوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ "حق تعالیٰ نے ایسی ایسی بھی بیبیاں پیدا کی ہیں کہ جن کے باعث یہ سطح زمین پر ٹھہرا ہے اور آسمان بے ستون کھڑا ہے"۔

اس خیال خام پر نظر کر کے کہنے لگا کہ "بی بی! ہائے خدا یہ کیا معاملہ ہے۔ میں تیری اشرافت کو خوب جانتا ہوں۔ یہ خواب و خیال ہے اس پر جی نہ دے"۔

غرض بہ ہزار منت و سماجت سے اس بات پر راضی ہوئی کہ "اگر نہیں مارتے تو ایک گھڑا دریا سے بھر لاؤ کہ اس وقت میں نہاؤں اور ناپاکی خیال کو دل سے دھوؤں!"

جونہیں اُس نے یہ سُنا وہیں گھڑا اُٹھا کر دریا کے پانی لانے کا قصد کیا۔

جب وہ باہر گیا تب اُس نے اپنے یار کو بلوا کر مطالب دلی شروع کیا۔

قضا کار اُس وقت راہ میں اُس مرد کو یوں سوجھی کہ "کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرے آتے آتے اپنے تئیں ہلاک کرے۔ اب دریا پر کون جاوے۔ اس نالے کا پانی بھر لیجیے اور اُسے نہلا دیجیے"۔

غرض اُس نے اُسی نالے کے پانی سے گھڑا بھرا اور اپنے گھر کا رستہ پکڑا۔

اور وہ کمبخت یہ سمجھی کہ دریا یہاں سے دو کوس ہے۔ اگر بہت جلد آویں گے تو میاں صاحب پھر دوپہر میں آویں گے۔

اس گمان پر اُس سے جدا نہ ہوئی اور اختلاط کیا کی کہ اتنے میں وہ آ پہنچا اور اُن دونوں کو ایک پلنگ پر دیکھ کر متفکر ہو کر کہنے لگا کہ "الٰہی! یہ کیا؟ یا تو وہ پاکدامنی یا یہ ناپاکی"۔

قصہ کوتاہ تاب نہ لا سکا۔ تیغ نیام سے لیا اور ایک ضرب سے اُن دونوں کا کام تمام کیا پھر جب تک جیا عورت کا نام نہ لیا۔

۴۵

سُنا ہے کہ ایک جوہری بچہ اپنی جوانی کے آگے باپ کے بڑھاپے کو خاطر میں نہ لایا بلکہ قصد نکالنے کا کیا۔

آخرکار ایک دن کہنے لگا کہ حضرت! آپ مریں یا اس گھر سے نکلیں یہ اگرچہ وہ کسی چیز کا محتاج نہ تھا، پر اُس کو یہ خیال گذرا۔

وہ غریب کہنے لگا کہ "بیٹا! اگر مجھ کو نکالتا ہے تو ایک کام کر، آج دربارِ بادشاہی میں لے چل، اور مجھے بیچ۔ تیرے ہاتھ کچھ نقد لگے گا اور میرا ٹھکانا ہو جائے گا۔"

یہ بات سُن کر اُس لڑکے نے کہا کہ "اگر لے جاؤں تو قیمت آپ کی کیا کروں؟"

اُس نے کہا کہ "میں خود کہہ لوں گا۔"

غرض وہ اُس ضعیف کو بادشاہ کے پاس لے گیا اور عرض کرنے لگا کہ "جہاں پناہ! میں اس غلام کو حضورِ عالی میں لایا ہوں۔ اُمیدوار اس بات کا ہوں کہ اس کو خرید کریں اور قیمت مجھے دیں۔"

بادشاہ نے کہا کہ "اِس کی قیمت کیا ہے؟"

اس نے التماس کیا کہ "وہ آپ ہی کہے گا۔"

ماحصل کلام اُس نے عرض کی کہ "خداوندا لاکھ روپے اس کو دیجئے اور مجھے مول لیجئے"

بادشاہ نے کہا کہ "ایسا تجھ میں کونسا وصف ہے جو اس قدر زرِ نقد اسے دلواتا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "ہے۔ چنانچہ ہر ایک چیز کو انسان پہچانتا ہے اور یہ غلام سوائے اُن چیزوں کے انسان کو بھی دریافت کرتا ہے۔"

بادشاہ یہ سخن سُن کر خوش ہوا اور اُسی قیمت پر اسے مول لے کر بقاول سے کہنے لگا کہ "اس کو باورچی خانے میں جگہ دے اور اڑھائی پاؤ آٹا تین چھٹانک دال، دمڑی کا لون، چھدام کا گھی۔ وظیفے میں مروج معالہ ہمیشہ چار گھڑی دن رہے یہی اجناس مرادی اس پر جاری رہے۔"

بقاول بموجب حکم حضور کے اُس کو لے گیا اور جو ارشاد ہوا تھا وہی عمل میں لایا۔

بعد تھوڑے ہی دنوں کے بادشاہ کا بیاہ کسی بادشاہ کی بیٹی سے ٹھہرا اور وہی بوڑھا اس لڑکی کے دیکھنے کو گیا اور وابگلینوں نے بادشاہ بیگم سے عرض کی کہ "بیگم صاحبہ! دولہا کی طرف سے کوئی عورت نہیں آئی مگر ایک مردِ ضعیف آیا ہے۔ حکم حضور کیا ہے؟ وہ محل میں درآمد ہو اور دولہن کو دیکھے ہو؟"

بیگم نے کہا کہ "اگر وہ پیر ہے تو کچھ اندیشہ نہیں بے دھڑک چلا آوے۔ اور اپنا بھی چاند ایسا نہیں کہ جس کو چھپاویں۔"

غرض جب وہ پیر انساں شناس درآمد ہوا تب خواصوں نے اُس مہر لقا کو بھی اُس کے پاس بٹھا دیا اور وہ قمر جبیں جو وہاں بیٹھی تھی تو عجب آن سے بیٹھی کہ کچھ کہی نہیں جاتی چنانچہ کبھی تو بھویں چڑھاتی تھی اور کبھی کولا مٹکاتی تھی کبھی مسکراتی تھی اور کبھی اشاروں سے خواصوں کو ہنساتی تھی۔

یہ حالت دیکھ کر اُس بزرگ نے کہا کہ "کیا خوب! یہ کچھ اور وہ کچھ اور"

یہ بات اُس لڑکی نے یاد رکھی۔

اور اُس نے جاکر بادشاہ سے اُس کے حُسن کی یہاں تک تعریف کی کہ وہ عاشق ہوا اور اُس کو نکاح میں لایا۔

بعد عقد کے جب وہ ہم خلوت ہوئے شہزادی نے اُس کی طرف سے منہ موڑا اور قسم کھا کر کہا کہ "جب تک یہ بات اثبات نہ ہوگی تب تک مجھ سے بھی جو تم چاہتے سو سو نہ ہوگی۔

بادشاہ نے ہر چند سمجھایا اور بجھایا کہ "بی بی! اس وقت جام عیش پیو اور پہلو میرا گرم کرو صبح کو جو کہو گی سو کروں گا۔"

اُس نے کہا "نہ! جو ہو سو ابھی ہو۔"

اسی گفتگو میں صبح ہوئی۔ بادشاہ بے قرار تو تھا ہی غصّے میں بھرا ہوا برآمد ہوا اور تخت پر بیٹھتے ہی اُس ضعیف کو طلب کیا۔

جوں ہی وہ آیا دوہیں چشم غضب سے دیکھ کر کہا کہ اے اجل گرفتہ! وہ کیا بات تھی جو تو نے وہاں کہی تھی سچ ظاہر کر۔ اگر جھوٹ کہے گا تو مارا پڑے گا۔"

یہ حکم سلطانی سُن کر وہ ڈرا اور عرض کرنے لگا کہ "جہاں پناہ! اگر جاں بخشی ہو تو یہ مسافر عدم چلتے چلتے سچ سچ کہہ دے۔"

بادشاہ نے فرمایا کہ "تیری جان تجھے بخشی کہہ!"

اُس نے عرض کی کہ "خداوند! شہزادی کسی دھاڑی کی جنی ہے۔ کیونکہ ایک شخص غیر کے سامنے کوارپت میں اُس نے ایسے ایسے کوڑے منگائے اور ایسی ایسی بھویں چڑھائیں اور ایسے ایسے دھاگے لئے کہ بیان نہیں کیے جاتے میں نے اسی واسطے وہاں یہ بات کہی تھی کہ کہیں میری پرکھ میں

فرق نہ پڑے اور آپ کسی بنئے کے ۔ کیونکہ سرکارِ عالی میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اور خداوند نے مجھ کو مول لے کر اس حساب سے سید مقرر کیا کہ دوکانداروں نے بھی یہ احوال سن کر تعجب کیا۔"

یہ بات اُن دونوں نے جو اپنی اپنی ماں سے تحقیق کی تو اُسی کے کہنے کے بموجب اثبات ہوئی۔

مدعا اس کلام سے یہ ہے کہ ہر ایک اپنی اصل پر جاتا ہے۔ حدیث کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ

۴۶

سنا ہے ایک چور نے کسی راجہ کی حویلی پر کمند ڈالی اور قصد چڑھنے کا کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت چودہ پندرہ برس کی خوبصورت گھڑا کمر سے باندھے، لباسِ زر سے سج مج کی بنی ایک رسّی کے آسرے پر اترتی ہے۔

یہ دیکھتے ہی وہ اپنا چڑھنا تو بھولا اور اُس کا اترنا دیکھنے لگا۔

غرض وہ اُتری اور دریا کی طرف چل نکلی۔

یہ پیچھے پیچھے ہولیا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ "دیکھوں تو کیا کرتی ہے اور کہاں جاتی ہے؟"

چنانچہ وہ دریا پر پہنچی اور کپڑے اُس گھڑے میں رکھ کر اسی کے آسرے پر تیرنے لگی۔ یہ بھی اُس کے پیچھے تیرتا چلا وہ اُس پار گئی اور یہ بھی جا تھی۔

آخر کار یہ چور تھوڑی دور جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک درخت کے نیچے ایک فقیر نہایت سیاہ، شبِ تار کی سی صورت دھونی لگائے بیٹھا ہے۔

جوں ہی وہ شبِ ماہ اُسے دکھلائی دیا وہیں وہ گھن کی طرح اُس کے پیچھے پڑا اور سونٹے بازی کر کے کہنے لگا کہ "ایں بدذات اب تک تو کہاں تھی اور کیا کرتی تھی۔ اپنے کاروبار

میں مشغول ہوئی۔ وحشت ہماری بھول گئی۔

وہ اُس خار دار سونٹے کو خاطر میں نہ لائی بلکہ اس کو پھول کی چھڑی سمجھی۔ آہ بھی نہ کی۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگی "بعد دو چار برس کے اس لونڈی کا شوہر آیا تھا۔ اس سبب سے وقت پر حاضر نہ ہو سکی کیونکہ اُس کی خدمت میں تھی۔ اب ایسی خطا ہرگز نہ ہوگی۔ اگر ہوگی تو یہ باندی اپنی سزا کو پہنچے گی۔

یہ سخن سنتے ہی وہ اور بھی آگ ہوا اور کہنے لگا کہ "اب اس کا سر لاوے گی تو یہاں بار پاوے گی نہیں تو نہیں۔"

یہ بات سنتے ہی وہ اُلٹے پاؤں پھری اور اپنے خاوند کا سر کاٹ کرے گئی۔ چنانچہ وہ چور بھی اُس کے جانے آنے تک ساتھ تھا۔ وہ اُس کے سر کو دیکھتے ہی عاشق ہو گیا اور کہنے لگا کہ "اے بدبخت! تو نے مجھ سے بھٹنے کی خاطر اس پری پیکر کو مارا۔ خدا جانے مجھے کس کے واسطے کہاں مارے گی۔ چل دور ہو نہیں تو ابھی بندھوا دیتا ہوں۔"

یہ بات سنتے ہی وہ ڈری اور اُس سر کو لئے ہوئے پھر اپنے گھر آئی اور وہ چور بھی اُس کی آنکھ بچائے ہوئے اُس کی حویلی تک پہنچا۔

غرض وہ اندر گئی اور سر کو اُس کے دھڑ سے ملا کر غل کرنے لگی کہ لوگو! دوڑو! خاوند تو مارا پڑا میں بھی ماری جاتی ہوں۔

یہ بات سن کر گھر والے دوڑے اور پوچھنے لگے کہ "بہو کیا بات ہے؟"

اُس نے کہا کہ "ابھی دو چار ڈکیت اُدھر سے چڑھ آئے اور اسباب غارت کرنے لگے۔" کہیں ان کے منہ سے نکلا کہ "ارے کیا کرتے ہو؟ تمہارا مارنے والا جاگتا ہے۔"

یہ سخن سنتے ہی ایک نے اُس کا سر کاٹ ڈالا اور دوسرے نے میرا منہ چادر سے

باندھ دیا۔ جنس تو کچھ نہ لوٹی پر نقد جان اُن ہی کی گئی۔"

یہ کہہ کر کہنے لگی کہ "اب میں بھی جیتی نہ رہوں گی۔ انہیں کے ساتھ ستی ہوں گی۔"

غرض صبح کو ارتھی کے ساتھ دریا پر گئی اور لاش کو گود میں لے کر جلنے لگی۔

تب تو اس چور نے دور سے کہا کہ شاباش ہاتریا چرتر جانے نہ کوئے خصم مار کر ستی ہوئے۔

یہ بات سُن کر اُس نے بھی اُسی حالت میں جواب دیا کہ "ان نینن کا یہی ہے بھیکھ۔ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔"

سچ ہے اگر تریا اپنی ہٹ پر آئے تو بھلی چنگی جان خاک میں ملائے۔"

۴۷

سنا ہے کہ ایک تماش بین نہایت تیز و تر تھا اور ایک عورت بھی ویسی ہی بیتینا۔
اتفاقاً اُن دونوں سے دونوں سے دوستی ہوئی۔ ایک دن وہ جامِ عیش پیتے تھے۔
اور اختلاطِ دلی کرتے تھے کہ اتنے میں اُس کا خاوند آیا۔
وہ جو وہاں سے لپکی تو مینڈھے سے کشتی کرنے لگی، اور وہ جو اُڑا تو کوٹھری میں جا چھپا۔
خاوند نے جو اُس کو اس گرفتاری میں دیکھا تو کہا کہ "بی بی! یہ کیا کرتی ہو؟"
اُس نے کہا کہ "ہاں صاحب! یہی تو کھوگے اور کیا!"
اُس نے پھر کہا کہ از برائے خدا سچ کہو کس حالت میں ہو؟"
تب تو وہ رو رو کر کہنے لگی کہ "اگر یہ مینڈھا جیتا رہے گا تو مجھے مار ہی ڈالے گا کیونکہ
اسی طرح سے ہمیشہ اپنی رسی تڑاتا ہے اور مجھ سے بدمستیاں کرتا ہے۔"
یہ سنتے ہی وہ اُسے لے پڑا اور ذبح کرنے لگا۔
وہ تماش بین اپنے جی میں ڈرا اور کہنے لگا کہ ہماری جان کے واسطے یہ مارا جاتا
ہے۔ یہ خونِ ناحق ہماری ہی گردن پر پڑے گا۔"

یہ بات ٹھہرا کر کوٹھری سے نکل کر اُس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

اُس نے پوچھا صاحب! تم کون ہو؟"

اُس نے کہا کہ "ہم فرشتے ہیں۔ تو اس کو ذبح کرتا ہے۔ ہم جان لینے آئے ہیں"

اُس نے کہا کہ "یہ ہمارا مال ہے جب چاہیں گے تب ذبح کریں گے۔ آج اس ضد پر تو نہیں"

اُس نے کہا کہ "نہیں تو نہیں۔ ہم کو بھی کچھ پروا نہیں۔ جب خدا بھیجے گا تب پھر آئیں گے"

یہ کہہ کر وہ نہ جانے کہاں چلا گیا۔ مثل مشہور ہے۔ بیت ؎

شرط سلیقہ ہے ہر ایک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے

۴۸

سُنا ہے کہ ایک بادشاہ مع لشکر شکار کو نکلا اور اپنی فوج سے چھوٹ کر کسی جنگل میں پیاسا ہوا۔

ہر چند جستجو کی پر کہیں ندی نہ دکھلائی دی۔ لاچار ہو کر ایک اوکھ کے کھیت میں جا کھڑا ہوا اور اس کھیت والے سے پانی مانگنے لگا۔

اُس کو معلوم نہ تھا کہ یہ بادشاہ ہے۔ پر اتنا جانتا تھا کہ کوئی بڑا آدمی ہے۔ اس واسطے نہایت منّت و سماجت سے کہنے لگا کہ "ٹھاکر آپ کھڑے رہیں۔ میں پانی تو نہیں پلا سکتا مگر اوکھ کا رس پلاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ایک اوکھ توڑا اور بہر طور اُس کے رس سے ایک کٹورا بھر کر بادشاہ کو پلایا

بادشاہ نے اپنے جی میں یہ خیال کیا کہ اللہ اکبر! ایک گنے سے ایک کٹورا بھرا۔ اس کا حاصل بھی بہت ہوگا۔ یہ خیالِ خام ٹھہرا پوچھا کہ اس کھیت کا محصول کیا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "فی بیگھا ایک روپیہ!"

بادشاہ نے اپنے جی میں کہا "استغفر اللہ! محصول اس کا دس روپے فی بیگھ!"

یہ کہہ کر کہا کہ ایک کٹورا اگر اور دے تو سیری مجھے بالکل حاصل ہوئے۔"

اس نے کہا کہ "اچھا!"

یہ کہہ کر چار او کھ توڑے پر آدھا بھی کٹورا نہ بھرا۔

بادشاہ نے کہا کہ "یہ کیا؟ ابھی ایک گنے سے اس قدر رس نکلا اور ابھی چار میں اتنا تعجب ہے۔"

اس نے کہا کہ "ٹھاکر! کچھ چنتا نہ کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا بادشاہ کسی کام میں لالچ کرتا ہے اور بے ایمانی پر خیال دوڑاتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جیسی نیت ویسی برکت۔"

بادشاہ اس بات سے شرمندہ ہوا اور چپکا اپنے لشکر کی طرف پھرا۔

۴۹

سنا ہے کہ ایک شخص نہایت مفلوک تھا اور گذران اس طرح سے کرتا تھا کہ شب کو پہر دو پہر رات گئے نکلتا اور کوچہ بہ کوچہ سوال کرتا پھرتا۔ اگر دو چار گھڑی میں کچھ اُس کے ہاتھ لگ جاتا تو اپنے مکان پر آتا اور کھا پی کر پڑ رہتا۔

اتفاقاً ایک شب اُسے کئی چوکیداروں نے پکڑا اور کہا کہ "بے تو کون ہے؟"

اُس نے کہا کہ "میں دکھیا فقیر ہوں۔ اس وقت گدائی کو نکلا ہوں۔"

اُنھوں نے کہا کہ "ہم سے بھی اُڑتا ہے۔ یہ وہی بات ہوئی حرام کرنا اور دائی سے پیٹ چھپانا۔ اے دغا باز! تو یہ کیوں نہیں کہتا کہ میں چور ہوں اور چوری کو چلا ہوں۔ ہم ایسے نادان ہیں کہ اپنا شکار چھوڑیں۔ فجر کو توپ پر رکھوا کر کیوں نہ اڑوا دیں۔"

اُس نے کہا کہ "صاحب! تم کون ہو جو مجھے مارتے ہو اور اس قدر دھمکاتے ہو؟"

اُنھوں نے کہا کہ "ہم کوتوال کے آدمی ہیں۔"

یہ بات سنتے ہی اُس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ "اے خدا! ہم تیرے آدمی کہلا کر کوتوال کے آدمیوں کے ہاتھ سے بندھیں اور بے حرمت ہوں۔"

یہ سخن سنتے ہی وہ ڈرے اور اسے گرفتار کرنے سے باز رہے۔ مثل مشہور ہے "سانچ کو آنچ نہیں۔"

۵۰

سُنا ہے ایک شخص کی جورو کسی شخص کو چاہتی تھی اور چوری چوری اُس کے پاس جاتی تھی۔ جب تک اس بات سے کوئی واقف نہ تھا تب تک اس کو بھی خطرہ نہ تھا اتفاقاً ایک رات پکڑی گئی جنھوں نے اُس کو پکڑا اُن کی اُس نے ہزار منّت کی کہ چھوڑ دو پر اُنھوں نے اُسے نہ چھوڑا، بلکہ وہ اُس کو بادشاہ کے پاس لے گئے اور احوال اُس کا مفصل کہنے لگے۔

بادشاہ نے جو اُس سے پوچھا تو اُس نے بھی اس ڈھب سے کہا کہ ہر ایک اُس کا منہ دیکھ رہا اور کہنے لگا کہ "اری تو تو ہمارے سامنے یہ انکار کرتی تھی اور اس قدر پاؤں پڑتی تھی۔ یہاں کیا ہوا جو اتنا پکار پکار کر اقرار کرتی ہے اور منہ کھولے کھڑی ہے۔

اُس نے کہا کہ "تب تو تم ہی دو چار اس بات کو جانتے تھے۔ اب تو یہ بات دربار چڑھی کسی طرح نہیں چھپتی، پھر میں کیوں ڈروں؟ اب جو ہو سو ہوا۔ مثل مشہور ہے، منہ کی اُتری لوئی تو کیا کرے گا کوئی؟"

۱۵

سنا ہے کہ ایک دولت مند بے وقوف نے کسی غریب دانش مند سے کہا کہ
"تو مجھ سے کیوں نہیں دبتا ؟"
اُس نے کہا کہ "میں کوئی سبب دبنے کا نہیں پاتا۔ اس واسطے تجھے خاطر میں نہیں لاتا۔"
اُس نے کہا "میں دس ہزار روپے نقد رکھتا ہوں یہ سبب کیا تھوڑا ہے ؟"
اُس نے کہا کہ "اگر دبنے کا سبب نہ ہے تو میرا ایک آشنا ہے کہ وہ بیس ہزار اشرفی کا خاوند ہے تو اُس سے دب تو میں تجھ سے۔"
اُس نے کہا کہ "میں اُس سے کیوں دبوں ؟ اگر وہ بیس ہزار اشرفی کا مالک ہے تو آپ کو ہے مجھے کیا ؟"
اُس نے کہا کہ "یہ بات تو تو اپنی طرف سے میرے حق میں کہتا ہے۔ اگر تو دولت مند ہے تو آپ کو ہے اور میں غریب ہوں تو آپ کو۔ تجھ سے کیوں دبوں ؟"
اُس نے کہا کہ "میرے پاس چار آدمی ہیں ابھی چاہوں تو تجھے پٹوا دوں۔"
اُس نے کہا کہ "یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک کو چار مار لیتے ہیں۔ بس ایک میرا دوست ہے

کہ وہ بیس آدمی رکھتا ہے وہ چاہے تو تم پانچوں کا بھرتا کرے۔"

اُس نے کہا کہ "اس شہر کا کوتوال میرا یار ہے۔ وہ چاہے تو تجھے چوری کی علت لگا کر قتل کرے۔"

اُس نے کہا "اس شہر کا قاضی میرا ہم مکتب ہے۔ وہ چاہے تو تجھے بدکاری کی تہمت دے کر سنگسار کرے۔"

اُس نے کہا کہ "تو نہیں جانتا کہ بلّی چوہا پکڑ لیتی ہے۔"

اُس نے کہا کہ "تو نہیں سمجھتا کہ کتا اُسے توڑ ڈالتا ہے۔"

اُس نے کہا کہ "ہاتھی اپنے پاؤں سے آدمی کو کچل دیتا ہے۔"

اُس نے کہا کہ "سنگھ دھول اُسے پکڑ لیتا ہے اور کھا جاتا ہے۔"

جب وہ دولت مند اُس کی تقریر سے عاجز ہوا تب کہنے لگا کہ بھائی! دنیا داری میں یونہی ہوتا ہے کہ ایک سے ایک نیو چلتا ہے۔"

یہ سخن سن کر وہ بولا کہ "حضرت سلامت! یہ جو آپ فرماتے ہیں بجا ارشاد فرماتے ہیں پر میں اس بیت پر اکتفا کرتا ہوں، خواہ مخواہ کسی سے کیوں دبوں۔ بیت ؎

جھکے جو کوئی اُس سے جھک جائیے
رُکے آپ سے وہ تو رُک جائیے

۵۲

سُنا ہے کہ ایک شخص نے بعد دو چار برس کے کسی شہر سے اپنی بی بی کو خط لکھا تو نہایت مضمون رنگین و عبارت فصیح سے۔ چنانچہ اشتیاق ملاقات اُس میں یہاں تک بھرا تھا کہ جوں جوں وہ کھلتا تھا توں توں لپٹا ہی جاتا تھا۔ اور یہ دوہرا بھی۔ دوہرا ؎

جانی جت میں ہے یہی کہ تہرے دھک پن آؤں
دونوں کو گرڈار کر منہ نا گر لاؤں

جوں ہی خط اُس نیک بخت تک پہنچا اور مضمون دریافت کیا، بیقرار تو تھی ہی، اور بھی مضطرب احوال ہوئی۔

غرض اُس نے بھی ایک خط لکھا اور اُس میں بھی یہ دوہرا تھا۔ دوہرا ؎

پیتم یہ مت جانیو کہ تو سے بچھڑت موہے چین
ڈاڈھے بن کی لاکڑی کہ سلگت ہوں دن رین

۵۴

سنا ہے کہ ایک وزیر بچی کسی سوداگر بچے پر لڑکپن ہی سے مرتی تھی اور وہ بھی اُسے ابتدا ہی سے چاہتا تھا۔ اور ایک ہی مکتبِ عشق میں درسِ محبت لیتے تھے اور شب و روز بحثِ محبت ہی کیا کرتے تھے۔

آخر کار سبزۂ جوانی کا اُس کے رُخِ نازنین پر لکا اور نخلِ سراپا اُس کا سینۂ بے کینہ سے بارور ہوا۔ دونوں کے ماں باپوں نے اُن کو جوان سمجھ کر مکتب خانے سے اُٹھایا۔ اس کو تو اس کی ماں نے اپنے پاس رکھا اور اس کو اس کے باپ نے کارِ تجارت سونپا۔

بعد دو چار دن کے اس کو اس کی مفارقت میں وہ محل سرا رشکِ جنت دوزخ ہوا اور اُس کو کارِ تجارت میں کچھ سودا سا ہونے لگا۔

غرض سوداگر بچے نے ایک عورت کے ہاتھ یہ کہلا بھیجا کہ "میں تیری فرقت میں قریبِ مرگ کے پہنچا ہوں اور منتظرِ دیدار ہوں۔ بیت ؎

اگر اپنی صورت دکھا دے مجھے تو اس قیدِ غم سے چھڑا دے مجھے

یہ خبرِ وحشت جوں ہی اُس وزیر بچی نے سُنی وونہیں وہ بھی بے اختیار ہوئی اور کہنے لگی

کہ بی بی! میری طرف سے بھی اُس کی خدمت میں سلام شوق کے بعد یہ پیام کہیو کہ مجھ کو بھی تیری جدائی میں زندگانی حرام ہوئی ہے اور بے قراری مارے ڈالتی ہے مگر یوں تدبیر ملاقات کی ٹھہری ہے کہ جب آدھی رات کا عمل ہو تب تم تنہا ادھر سے کمند ڈال کر اس کوٹھے پر آؤ تو بعد ایک مدت کے ملیں اور باہم قرآن خوانی کریں۔"

غرض اُس بڑھیا نے اس کے کہنے کے بہ موجب اُس سے جا کر کہا اور اُس نے بھی یہ بات قبول کی اور اُسی کمند کے وسیلے سے اپنی آمد و رفت مقرر رکھی۔

قضا کار ایک شب آدھی رات کو بادشاہ اُس شہر کا اپنے محل سے نکلا اور ہر ایک کوچہ و گلی کی بخوبی خبر لینے لگا ——— اور وہ بادشاہ ایسا عادل و حاکم تھا کہ ظالم و چور کی تصویر بھی ثابت نہ رکھتا تھا۔

ناگہاں اس کوچہ میں گیا کہ جس میں وہ سوداگر بچہ کمند کی راہ سے وزیر کی حویلی پر چڑھتا تھا۔ یہ حالت دیکھتے ہی نہایت غضب ہوا اور اُس نوجوان کو بہ طور چوروں کے باندھ لیا اور کہنے لگا کہ "اے اجل گرفتہ! تو نہیں جانتا کہ یہاں کا بادشاہ اس قدر عادل و منصف ہے کہ باگھ بکری کو ایک گھاٹ پانی پلاتا ہے اور تو ایسا دیدہ دلیر ہے کہ اُس کے وزیر کی حویلی پر کمند کی راہ سے چڑھے اور ارادہ اُس کے زر و اسباب غارت کرنے کا کرے

اس نے کہا کہ تم کون ہو کہ جو مجھے باندھ کر یہ نصیحت کرتے ہو؟"

اُس نے کہا کہ "میں اس شہر کے کوتوال کا پیادہ ہوں۔ تجھے صبح کو اُس کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ بادشاہ کے پاس پہنچا دے گا۔ وہ بلا تامل گردن مارے گا۔"

یہ سخن سن کر وہ سوداگر بچہ کہنے لگا کہ "اے پیادے کوتوال کے! اگر میری قسمت میں صبح کو قتل ہی ہونا ہے تو از برائے خدا اس وقت فرصت دے کہ میں اپنے یاروں سے

ملاقات کروں" تاکہ یہ آرزو لئے اس دارِ فانی سے نہ جاؤں"

اُس نے کہا کہ "یہ تیری نادانی ہے جو تو مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔ کس شکاری نے آج تک اپنے صید پر رحم کیا ہے اور پنجرے سے چھوڑا ہے"

اس نے کہا کہ "اگر کچھ خطرہ میرے بھاگ جانے کا ہے تو میں اپنے باپ کو ضامن دیتا ہوں"

یہ بات سُن کر اُس نے کہا کہ "بہتر، اگر ضامن دے گا تو شب کی فرصت پاوے گا"

غرض اُس کو وہ اپنے گھر لے گیا اور دروازے پر کھڑا ہو کر باپ سے کہنے لگا کہ "باباجان! میں اس وقت بہ علت دزدی گرفتار ہوا ہوں۔ اگر تم ضامن ہو تو چھوٹوں"

یہ بات سنتے ہی اندر سے اُس نے کہا کہ "ناخلف تو کس کا بیٹا ہے اور یہ بات کس سے کہتا ہے؟ میں تو خود لا اولاد ہوں"

بادشاہ نے دیکھا کہ وہ صاف منکر ہوا اور کانوں پر ہاتھ دھر گیا۔ تب اُس سے کہا کہ "اب کیا کہتا ہے؟"

اُس نے کہا کہ فلانے محلے میں میرا یار ہے۔ اب اُس کے پاس تجھے لے جاتا ہوں اغلب ہے کہ وہ دستگیری کرے"

اُس نے کہا کہ "چل اُس کو بھی دیکھ لے"

غرض وہ اُس کو لئے ہوئے اپنے یار کے گھر گیا اور باہر ہی سے کہنے لگا کہ "بھائی! آج میں پکڑا گیا ہوں یقین ہے کہ صبح کو مارا جاؤں گا۔ اگر تو اپنی ضمانتی سے چھڑا دے تو چھوٹوں اور کچھ کچھ کام اس عرصے میں کروں۔ پھر خدا جانے کل کیا ہو اور کیا نہ ہو"

یہ بات سنتے ہی وہ نکلا اور اُس سے اُس کو اپنی معتبری پر چھڑوا دیا۔

اُس نے جو وہاں سے فرصت پائی تو پھر اُسی حویلی کی راہ لی۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے بادشاہ!

آخر کار وہ اُس حویلی پر چڑھا اور وہ بھی اُس کے ساتھ ہی۔ وہ اُس وزیر کی بیٹی کے ساتھ قرآن خوانی کرنے لگا اور وہ دور سے اِن کا تماشا دیکھنے لگا۔

جب وہ دونوں قرآن کی تلاوت کر چکے تب یہ گفتگو کرنے لگے۔ چنانچہ وزیر بچی نے کہا کہ "اے سوداگر بچے! آج خلافِ معمول کیوں آیا ہے اور اتنی دیر کہاں تھا؟"

اس نے کہا کہ اے وزیر بچی! اب میری تیری قرآن خوانی قیامت پر موقوف رہی۔ کیونکہ آج مجھ کو اس حویلی پر چڑھتے کوتوال کے پیادے نے پکڑا تھا۔ اگر میں اپنے آشنا کو ضامن نہ دیتا تو وہ مجھے ہرگز نہ چھوڑتا۔ اور اب صبح کو وہ مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے جاوے گا تو وہ مروا ڈالے گا۔"

یہ بات سنتے ہی وہ روئی اور کہنے لگی کہ "الٰہی! یہ بلا کیا ہوئی؟" دوہرا ؎

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی رین کر و کہ بھور کبھو نئیں ہوئے

اور کہنے لگی کہ کل صبح کو میں بھی سیاہ کپڑے پہن کر سمندِ نا امید پر سوار ہو کر اور اسی کثرت پر حشر میں آؤں گی جس وقت خدانخواستہ تو مارا گیا تو میں بھی اپنے پیٹ میں چھری مار کر مر جاؤں گی لیکن افسوس یہ رہا کہ دورِ قرآن شریف کا مراد کو نہ پہنچا۔"

بادشاہ نے یہ باتیں اپنے کانوں سے سنیں اور یہ حالات آنکھوں سے دیکھیں کہ اتنے میں صبح ہونے لگی بادشاہ تو پہلے ہی وہاں سے اتر کر اپنے محل میں داخل ہوا اور وہ بھی اپنے یار کے گھر گیا۔

جب سوا پہر دن چڑھا تب بادشاہ نے کوتوال کو بلوا کر کہا کہ "فلانے محلے میں تو جا!

وہاں اس طرح کا ایک گھر ہے، وہاں اس کی ڈیوڑھی پر کھڑا ہو کر پکار کہ فلانے صاحب گھر میں ہیں تو میری امانت میرے حوالے کریں،" یہ کہہ کر وہاں کھڑا ہو رہنا، پھر جو کوئی اندر سے جو چیز دے اور وہ تیرے حوالے کرے تو اس کو لے آنا۔"

غرض وہ گیا اور اسی حویلی کی چوکھٹ پر کھڑا ہو کر پکارنے لگا کہ اتنے میں دو شخص اندر سے نکلے۔ ایک تو کہتا ہے کہ میں چور ہوں اور دوسرا کہتا تھا کہ میں ہوں۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے لے چل۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے۔"

حاصل کلام کوتوال حیران ہوا اور ان دونوں کو باندھ کر حضور میں لایا۔

بادشاہ نے اُن کو دیکھتے ہی کوتوال سے کہا کہ "فلانے چور کو میرے سامنے سولی دے" اور وزیر سے کہا کہ جب تک میں تیسرا حکم نہ دوں تب تک نہ دے دینا۔"

جب وہ قریب سولی کے پہنچا تب بادشاہ نے پھر اُس سے پوچھا کہ "سچ کہہ تو کون ہے؟"

اُس نے کہا "میں چور ہوں جھوٹ کیوں کہوں، جو چاہو سو کرو!"

بادشاہ نے پھر وہی پوچھا۔ اُس نے پھر وہی کہا۔

غرض اسی رد و بدل میں دو چار گھڑی کا عرصہ کھنچا کہ اتنے میں ایک سوار سیہ پوش، منہ پر برقع ڈالے نمودار ہوا اور گرد سولی کے پھرنے لگا۔ وہ اُس کو دیکھ کر بے قرار ہوا اور وہ اسے۔

یہ حالت جو بادشاہ نے دیکھی تو اپنے وزیر سے یہ بات کہی کہ "دو تو اس جوان سیہ پوش کو پہچانتا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "نہیں!"

ارشاد ہوا کہ "جا کر دریافت کر کہ کون ہے؟"

وزیر اُس کے پاس آیا پر کچھ نہ دریافت کر سکا کہ کون ہے۔

اسی طرح سے کئی بار بادشاہ نے اُسے بھیجا۔ پر وہ ہرگز نہ پہچان سکا۔

تب تو بادشاہ نے کہا کہ اب کے بار جا اور اُس کا برقع اُٹھا کر دیکھ کہ وہ کون ہے؛ اور مجھے خبر کر!"

غرض وزیر گیا اور برقع اُٹھا کر جو اُس کی صورت دیکھی تو اسے اپنی وہی لڑکی نظر پڑی۔ اس واردات پر نظر کر کے نہایت شرمندہ ہوا اور آکر بادشاہ سے عرض کرنے لگا کہ "خداوندا خوب جانتے ہیں، میں کیا التماس کروں؛ مگر امیدوار اس بات کا ہوں کہ یہ بھی اسی کے ساتھ ماری پڑے۔"

بادشاہ نے کہا "اُے وزیر! واللہ یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا کہ ایسے عاشق و معشوق کو قتل کروں۔ تو نہیں جانتا میں ان سے بخوبی واقف ہوں بلکہ یہ آرزو رکھتا ہوں کہ میں اس سیہ پوش کو اپنی بیٹی کروں اور تو اس لڑکے کو اپنا بیٹا کر جو ہم ان دونوں کو بہ طور دلہن و دولہا کے دیکھیں۔ کیونکہ یہ تا حال آلائشِ دنیا سے پاک ہیں۔

حاصل کلام قرآن کی برکت سے اُن دونوں کی جان بچی اور شادی کی شادی ہوئی۔ مثل مشہور ہے بھلا کر بھلا ہو!

۵۴

سُنا ہے کہ ایک بادشاہ نہایت عادل تھا اور ایسا حکم نافذ رکھتا تھا کہ جس کو جو اس نے کہا، اُس کو اُس نے وہیں لیا۔ اور محتاج دوسرے حکم کا نہ ہوا۔ کیونکہ کچھ بھی دیر کرے تو آپ ہی مارا پڑے۔

اتفاقاً وہ بادشاہ اپنے ایک وزیر دانش مند پر خفا ہوا اور اپنے ہوا خواہوں سے کہنے لگا کہ "جس وقت کہ وہ وزیر یہاں آوے اور مجرا کر کے اپنے گھر کا رستہ پکڑے، خبردار نوبت اُس کی آج نوبت خانے کے دروازے تک پہنچے کہ وہ مارا جاوے۔"

غرض وہ وزیر حضور عالی میں آیا، اور موافق اپنے معمول کے کھڑا ہوا۔ بعد دو چار گھڑی کے رخصت ہو کر اپنے گھر کی طرف چلا۔ دو چار ہی قدم بڑھا ہو گا کہ اتنے میں ہرکاروں نے عرض کی کہ خداوند! یوں مرضی ہے فوجِ بادشاہ کی کہ اگر آپ نوبت خانے کے دروازے پر قدم رکھیں گے تو اپنے سر سے ہاتھ اٹھاویں گے۔"

یہ خبر سنتے ہی وہ پچھلے پاؤں ہٹا اور بادشاہ سے جا کر عرض کرنے لگا کہ "خداوند! جناب عالی سے یوں حکم ہوا ہے کہ اگر آج یہ اپنے گھر جاوے تو نوبت خانے تک سلامت نہ پہنچے۔ اور

اس غلام نے اکثر عقلمندوں سے سنا ہے کہ انسان جو کام کرے سو بے مشورت کئے نہ کرے اور حدیث شریف بھی یوں ہیں ہے جو جس سے مشورت کرتا ہے وہ اُس کے حق میں امین خدا ہوتا ہے۔ پس میرے حق میں اس عالم بے کسی میں جو صلاح نیک و با مراد ہو سو ارشاد ہو۔"

بادشاہ نے یہ سخن سنتے ہی اپنا سر جھکایا اور یوں فرمایا کہ "اے وزیر! تو خوب جانتا ہے کہ حکم پھرا نہیں پھرتا اور تو ہی مجھ سے مصلحت چاہتا ہے۔ اگر میں اس وقت صلاحِ بد دوں تو مواخذِ خدا ہوں اور اگر نیک دوں تو اپنے حکم کو شکست کروں۔ میں اس مقام میں نہایت لاچار ہوں۔"

اسی سوچ میں تھا کہ ذہنِ شاہ یوں لڑا کہ اگر میں نے حکم کیا ہے تو یہ کیا ہے کہ اگر آج یہ حضورِ عالی سے رخصت ہو اور نوبت خانے کی طرف سے جاوے تو اسے قتل کرو۔ کچھ یہ قید نہیں لگائی کہ جب نکلے اسی گھڑی مار ڈالو۔

یہ بات دل میں ٹھہرا کر وزیر سے کہا کہ "سنتا ہے تیرے حق میں اب یہی بہتر ہے کہ تو آج اس نوبت خانے کی طرف سے نہ جا۔ بلکہ یہ کمند لے اور محل مبارک کی دیوار سے اتر جا۔

چنانچہ وزیر نے وہی کیا اور سلامت اپنے گھر گیا۔

اسی واسطے ہر ایک کو کہا جاتا ہے کہ جو کوئی کام مشورت کے ساتھ کرتا ہے سو خطا نہیں پاتا ہے۔

۵۵

سُنا ہے کہ ایک شخص ہمیشہ بے تُک ہی بولا کرتے تھے اور کسی کی نہ سنتے تھے۔ جو جی چاہتا تھا سو آپ ہی بکتے تھے۔

اتفاقاً ایک دن کسی شخص ہنسوڑ نے ان سے کہا کہ حضرت سلامت! ہم آپ کے سامنے ایک فقرہ پڑھتے ہیں جب جانیں کہ آپ بھی اس کو اُسی لہجے میں ادا کریں۔"

یہ بات سنتے ہی وہ کہنے لگے کہ "صاحب! فرماؤنا! کیا قطع کرتے ہو، ہم بھی کر لیے خوب دُھنتے ہیں۔"

یہ سخن سُن کر وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ "بیٹھ بھی اونچی اونٹ کی، پونچھ بھی اونچی اونٹ کی۔ کچھ اونٹ کی اونچائی سے اونٹ کی اونچی پونچھ نہیں۔ نہ آپ سے آپ بیٹھ اونچی اونٹ کی۔ کیا اونٹ کی اونچائی سے اونٹ کی اونچی پونچھ ہے۔"

یہ فقرہ سنتے ہی وہ کہنے لگے کہ "بندہ پرور! کہنے کو کہتے ہو کہ کہتے ہیں، پر آپ کے کہنے پر ایک بات کہی جاتی ہے۔ ہمارے تمہارے تو ایک یہ ہے کہ جس سے ایک یہ ہے اور ایسا کون ایسا ایک یہ ہے کہ جس سے ایک یہ ہے۔"

یہ کلام بے جوڑ سن کر وہ خوش ہوا اور کہنے لگا کہ "صاحب آپ کی بات بھی وہی ہے کہ مارُوں تیرا اُمرا اور ڈھوئے خیر آباد!"

۵۶

سُنا ہے کہ ایک لڑکا کسی درخت عظیم پر چڑھ گیا، اور اس کی بلندی کو دیکھ کر ڈرا۔
اور پکار پکار کر کہنے لگا کہ "صاحبو! دوڑو نہیں تو میں بے اجل مرتا ہوں"
یہ آوازِ دردناک سُن کر ہر ایک شخص لپکا اور اس کو اس حالت میں گرفتار دیکھ کر رونے لگا پر یہ مضمون کسی کو نہ سوجھا کہ اس کو کس ڈھب سے اتار لیے اور بے قراری اس کے دل پژمردہ کی نکالیے۔
آخرکار رفتہ رفتہ یہ قصہ لال بجھکڑ تک پہنچا چنانچہ وہ اُن میں عقلِ کُل مشہور تھے بے اختیار ہنسے اور اس درخت کے نیچے آکر کہنے لگے کہ "اے بے وقوفو! اگر میں نہ ہوں تو تم خاک چھانتے پھرو اور خدا جانے کہ کس طرح سے مرو۔ بھلا یہ بھی کچھ مشکل ہے کہ اتنا گھبراتے اور دریافت نہیں کر سکتے۔ آگے کیا کرو گے چلو، سرکو!"
یہ کہہ کر ایک رسا منگوایا اور بہر طور اس لڑکے کے گلے میں ڈلوا کر بیس بیس آدمیوں سے کہا کہ "کھینچو"
جوں ہیں وہ رسا اُنھوں نے کھینچا۔ وہیں وہ اجل گرفتہ اُس درخت سے جدا ہوا۔

اور زمین پر گرتے ہی مر گیا۔

اُنھوں نے عرض کی کہ "مہاراج! لڑکا تو مر گیا"

یہ بات سنتے ہی دق ہوئے اور کہنے لگے کہ "ہاں! میں بھی جانتا ہوں۔ تم دیکھو اور احوالِ مقدرات دریافت کرو کہ آئی کسی طرح نہیں ٹلتی۔ کس حکمت سے اس کو درخت سے اُتارا تھا، پر بھی نہ بچا۔ اور نہیں تو سیکڑوں کو کنوؤں سے ہزاروں دفعہ یوں رسوں سے نکالا ہے اور جیتا ہی پایا ہے، کسو کو مرتے نہ دیکھا۔

۵۸

سُنا ہے کہ ملا دو پیازا اپنے ملک سے نکلے اور ایک مدت شہروں شہروں پھرا کیے
قضا کار ایک دن کسی لبستی میں اُترے اور وہاں کے لوگوں سے اُس کا نام پوچھنے لگے۔
کسی نے کہا کہ "اس کا نام ہے ہنڈیا"
یہ سخن سنتے ہی وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ "دو پیازا اب ہنڈیا چھوڑ کدھر کو جائے"
غرض جو ہیں یہ بات اُن کے منہ سے نکلی وہ ہیں جاں بحق ہوئے اور مزہ تو یہ
ہے کہ ہنڈیا ہی میں رکھے گئے۔

۵۸

سنا ہے کہ ایک امیر الامرا نے ایک مدرسہ بنوایا اور باورچی خانے کے داروغہ کو یہ فرمایا کہ "فی طالب العلم سیر بھر پلاؤ اور آدھ سیر قلیہ، دو باقر خانی، تین پاؤ خشکا۔ ایک کابی فرنی اور ایک بادیہ دال، ہر صبح و شام بلا تامل مدرسے میں بھیجا کرے اور خانساماں کو یوں ارشاد ہوا کہ آٹھویں روز دو روپے اور دوسرے مہینے دو جوڑے ہر ایک کو بلا عذر ملا کریں "

غرض اس حساب کی فرد تیار ہو کر حضور خاص میں گذری اور دستخط ہوئی۔ اہل کاروں نے حقِ رسوم اپنا اس میں سے یہاں تک کاٹا کہ ان بچاروں کی خورد و پوش کا مرتبہ اس حد کو پہنچا چنانچہ باورچی خانہ سے آدھی رات کو دو چپاتیاں ایک پیالہ دال آنے لگا اور توشہ خانے سے پندرھویں روز دو پیسے اور چوتھے مہینے ایک لنگی اور ایک ٹوپی ملنے لگی اور ان بچاروں کا اس خورد و پوش سے عجب احوال ہوا مثل مشہور ہے کہ نہ پیٹ بھرتا تھا نہ تن ڈھنپتا تھا۔

آخر کار انھوں نے یہ تدبیر ٹھہرائی کہ خاں صاحب ہم لوگوں کی بحث سننے کا کمال شوق رکھتے ہیں۔ آج جس وقت حضور عالی سے تشریف فرما ہوں اُس وقت ہم سب کے سب ایک تقریر پر غل کریں۔ اگر خاں صاحب اس بات کے شنوا ہوں گے اور ہم کو بلوا کر کچھ

فرمائیں گے تو یقین ہے کہ کچھ نہ کچھ لے ہی نکلیں گے۔

اسی گفتگو میں تھے کہ خاں صاحب دربارِ معلّی سے رونق افزا ہوئے اور دہ عمل مچلنے لگے خاں صاحب نے فرمایا کہ "ان کو بلالو۔ یہ ہمارے سامنے بحث کریں تاکہ ان کی تقریر سے ہم بھی واقف ہوں"

غرض وہ سب کے سب حضور میں آئے اور بحث علم کرنے لگے۔

خاں صاحب نے کہا کہ "مفہوم تمہارا بخوبی دریافت نہیں ہوتا کہ تم کیا کہتے ہو اور کس لغت پر بحث کرتے ہو"

اُن میں سے ایک بولا کہ "خداوندا یہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضور کے باورچی خانے سے جو دال ہم لوگوں کے واسطے آتی ہے اُس سے وضو کرنا درست ہے اور میں کہتا ہوں کہ نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی سوال کرتا ہے تو یہ فدوی یہ دلیل گذرانتا ہے کہ اس میں نون ملا ہے۔ آگے خداوند جو فرمائیں سو قبول کریں"

یہ سخن سنتے ہی خاں صاحب نے کہا کہ "مدعا تمہارا دریافت ہوا"

غرض اُن دونوں اہل کاروں کو بلوا کر ڈانٹا اور اُن کے خورد و پوش کو اسی فرد کے موافق جاری کیا۔

۵۹

سُنا ہے کہ ایک شخص ہمیشہ شاہجہان آباد کے کوچوں میں پھرتے تھے اور ہر ایک عمدہ کے آگے کھڑے ہو کر یہی کہتے تھے کہ "ہمیں نوکر رکھو گے؟"

اگر وہ کچھ اُن سے پوچھتے کہ "خدمت کیا کرو گے؟"

تو وہ جواب دیتے کہ "ہم ہزار روپے کا روز لیں گے اور بات پڑے پر بات میں رفو کریں گے۔"

یہ لطیفہ اُن کا کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اسی واسطے کوئی نوکر بھی نہ رکھتا تھا۔

غرض اسی طرح سے ہر ایک کے آگے کہتے اور چلے جاتے۔

اتفاقاً ایک دن کسی وزیر دانش مند کی سواری کسی کوچے سے نکلی، اور اُن کی یہی خو تھی، غرض اُس کی پالکی کے پاس آئے اور جو کہتے تھے سو کہنے لگے۔

اُس نے کہا کہ "اچھا، ہم نے تمہیں نوکر رکھا۔ اب آپ آرام سے اپنے گھر جا کر بیٹھیں ہزار روپے کا توڑا ہر روز لیا کریں۔ جب کام پڑے تب بلوا لیں گے۔

اس بات پر وہ بھی راضی ہوئے اور اپنے گھر آ کر بیٹھ رہے۔ ہزار روپے روز لینے لگے

اور اُس وزیر نے اُسی روز سے اپنے لوگوں کو کہا کہ "تم ہر ایک غریب و غربا، امیر و عمدہ کو میری طرف سے کہو کہ جس کو جس قدر قرض لینا منظور ہو سو بے بیاز مجھ سے لے اور داد و ستد مہاجنوں کی چھوڑ دے!"

یہ اشتہار سُنتے ہی ہر ایک حاجتمند اُس وزیر کے پاس جاتا تھا اور جس قدر اُس کو زر مطلوب ہوتا تھا، اُس قدر اس ڈھب کا تمسک لکھ کر دے آتا تھا اور توڑے بندھوا کر لے آتا تھا۔ شرح تمسک من کہ فلاں ساکن فلاں، فلانے وزیر سے اتنے روپے، اس اقرار پر لئے کہ جس وقت یہاں کا بادشاہ مرے گا اُسی وقت یہ فدوی زر قرض بلا عذر پہنچا دے گا — اس واسطے یہ دو چار فقرے بطور دستاویز کے لکھے گئے کہ وقت پڑے پر کام آویں۔ بتاریخ فلاں بستم ماہ فلاں سنہ فلاں۔

اور رفتہ رفتہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ بادشاہ اس حرکت سے اس کی نہایت دق ہوئے بلکہ اپنے ندیموں سے کہنے لگے کہ "جب تک وہ وزیر مارا نہ جائے گا تب تک مجھے آرام نہ آئے گا"

اُنھوں نے عرض کی کہ "خداوند! وہ ابھی حضورِ عالی میں آتا ہے اور اپنے سر کو قدمِ مبارک پر نثار کرتا ہے"

حاصل کلام فوجِ بادشاہی گئی۔ اُسے پکڑ کر لائی اور قتل گاہ میں بٹھلا کر قتل کرنے لگی کہ اتنے میں اُس وزیر نے اُس عالمِ یاس میں اپنے لوگوں سے کہا کہ "میاں! وہ صاحب کہاں ہیں جو ہزار روپیہ روز کا گھر بیٹھے لیا کرتے تھے۔ یہی تو وقت ہے تشریف لاویں اور بات میں جوہر لگاویں"

چنانچہ لوگ گئے اور اُن کو قتل گاہ میں لے آئے۔

اُنھوں نے آتے ہی وزیر سے کہا کہ "خداوند! آپ خاطر جمع رکھیں۔ میں بادشاہ کے

پاس جاتا ہوں اور آپ کی جان بخشوا کر خلعت سرفرازی لاتا ہوں۔"

غرض وہ بادشاہ کے پاس گیا اور بعد ادائے آداب قواعدِ بادشاہی کے عرض کرنے لگا کہ "جہاں پناہ! وہ وزیر آج مفت مارا جاتا ہے اور تقصیر اس کی ظاہرا کچھ نظر نہیں آتی۔"

بادشاہ نے کہا کہ "تو نہیں جانتا کہ اُس نے کیسی نمک حرامی کی ہے۔"

اُس نے کہا کہ "اے شاہنشاہ! میں مطلق اس بات سے نہیں آگاہ۔ اگر وہ نمک حرام و بدگوہر ہے تو اُس کا قتل کرنا ہر ایک طرح سے بہتر ہے۔"

یہ سخن سُن کر بادشاہ نے دو چار تمسک منگوا کر اُس کے آگے ڈال دیئے اور کہا کہ تو بھی دیکھ اور دریافت کر کہ بندہ بادشاہی یہی سلوک کرتے ہیں بادشاہوں سے؟

اُس نے جوں ہی وہ تمسک دیکھا ووہیں وہ ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا کہ جہاں پناہ! اس تمسک کے مضمون سے وہ نہایت خیرخواہ اور نمک حلال معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو شخص جس ٹھنڈے دل سے قرض لیتا ہے وہ کبھی اس جی سے نہیں دیتا۔ اور اس تمسک میں تو عجب معنی ہیں اگر میں عرض کروں گا تو خداوند نہایت عش عش کریں گے۔"

بادشاہ نے کہا کہ "جلد کہہ نہیں تو وہ مارا جاتا ہے۔"

اُس نے عرض کی کہ "جہاں پناہ! اس میں یوں لکھا ہے کہ جس وقت یہاں کا بادشاہ مرے گا یہ فدوی اپنے قرض خواہ کو زرِ قرض پہنچا دے گا۔ اس وزیر سے جس جس نے قرض لیا ہے اُس کو بلوا کر پوچھیئے کہ تم کو اُس کے قرض ادا کرنے کی طاقت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیوں نہیں دیتے۔ اگر نہیں ہے تو کیا جواب رکھتے ہو؟ کہو!"

چنانچہ سو دو سو مقدور والوں نے اور سو دو سو مفلسوں نے آکر عرض کی کہ "خداوند! ہم نے اقرار نامہ یہی لکھا ہے کہ جس روز بادشاہ مرے گا اُس روز قرض اس کا ادا کریں گے

خداوند کو حق تعالیٰ تا قیامت سلامت رکھے کہ ہم کو قرض نہ دینا پڑے۔ اور بالفعل روز و شب یہی جناب الہیٰ میں دست بہ دعا ہیں کہ الٰہی جب تک گنگا جمنا کا پانی بہے تب تک ہمارا بادشاہ جیتا رہے۔"

بادشاہ کو یہ مضمون نہایت خوش معلوم ہوا اور قتل وزیر سے باز رہا بلکہ سرفراز کیا اور اُس نے اُس کو!

۶۰

سُنا ہے کہ ایک شخص بر سرِ راہ چلا جاتا تھا

اتفاقاً کسی شخص کے دھکے سے اُس کی پگڑی گر پڑی۔

اُس نے اتنی ہی بات کہی کہ "بے! دیکھ کر نہیں چلتا۔ بھلے آدمیوں کو دھکے دیتا ہے اور بازار میں رُسوا کرتا ہے"

اُس نے عذرخواہی تو نہ کی بلکہ گالیوں پر زبان کھولی۔

وہ اُسے مار بیٹھا۔

پھر تو جوں جوں وہ گالیاں دیتا تھا توں توں وہ اُس کے منہ میں مارتا تھا۔

آخرکار یہ مقدمہ حاکم تک پہنچا

حاکم نے اُس سے پوچھا کہ "تو نے اسے کیوں مارا؟"

اُس نے کہا کہ "خداوندا! یہ مثل مشہور ہے کہ کسی کا ہاتھ چلے کسی کا منہ!

۶۱

سُنا ہے کہ ایک عورت نے اپنے خصم سے کہا کہ "تم مجھے طلاق دو! میں دوسرا خاوند کروں تاکہ اولاد کا منہ دیکھوں۔"

اور وہ عورت اتنا کبتی تھا کہ کوکھ و مانگ میں کچھ فرق نہ سمجھتا تھا۔ مارے محبت کے کہنے لگا کہ اگر تم لڑکا کی آرزو رکھتی ہو تو آج سے مجھ کو فرزندی میں داخل کر دو۔

۶۲

سُنا ہے کہ ایک عورت کسی مُنجّم کے پاس گئی اور بہ منّت وزاری، وں بڑ بڑ کر کہنے لگی کہ "پنڈت جی! سچ کہو میرا شاہی کب آوے گا؟"

اُس نے کہا کہ "تو سچ جان کہ وہ پھاگن اُترتے یہیں ہے۔"

اُس نے کہا کہ "اگر اِس عرصے میں نہ پھرے تو کیا کروں۔"

اُس نے کہا کہ "پھر میں حاضر ہوں۔"

۶۳

سُنا ہے کہ عورت خوبصورت دو لونڈیوں کو اپنے ساتھ لے کر کسی ملّا کے پاس گئی تعویذ طومار کے واسطے۔

وہ اپنے وظیفے میں مشغول تھے کچھ نہ بولے

اور یہ سامنے آکر بیٹھ گئی

بعد ایک ساعت کے کہنے لگی کہ "میاں جی! اس لونڈی سے نکاح بندھواؤ گے؟"

یہ بات سنتے ہی اُنھوں نے گردن اُٹھائی اور اُس کو ناپسند کرکے یہ بات فرمائی کہ "خبردار! پھر ایسی نہ کرنا تکرار!" اور شاغلِ عبادت ہوئے۔

بعد ایک دم کے اُس نے کہا کہ "حضرت تیوری نہ چڑھاؤ۔ اس باندی سے اپنا عقد بندھواؤ"

یہ سخن سُن کر اُنھوں نے سر اُٹھایا اور اُس کو بدشکل دریافت کرکے ارشاد کیا کہ "استغفراللہ! یہ مجھ سے کب ہو سکتا ہے" اور ذکرِ الٰہی کرنے لگے۔

بعد ایک لحظے کے اُس نے کہا کہ "صاحب! خفگی دل سے دور کرو! مجھے اپنے نکاح میں لاؤ!"

یہ کلام شیریں سنتے ہی گھبرائے اور جانماز لپیٹ کر کہنے لگے کہ "چل چھوٹی (جھوٹی)! پھر کب؟"

مثل مشہور ہے: من بھائے منڈیا ہلائے!

۶۴

سُنا ہے کہ شیخ چلّی کی ماں نے تھوڑے سے پیسے اور ایک بادیہ دے کہا کہ "بیٹا! تم بازار جاؤ! اور سیر بھر تیل کڑوا، مول لے کر اس میں لے آؤ!

غرض وہ گئے اور کسی تیلی سے بہت ستھرا تیل لے کر اُس باسن میں رکھنے لگے اور روگن کے واسطے جھگڑنے لگے

اور وہ اتنا کم ظرف تھا کہ اتنے ہی تیل میں بھر گیا

تیلی نے کہا کہ "میاں! میں تو گھلوا دوں گا پر تم لوگے تو رکھو گے کہاں؟"

وہ یہ بات سن کر دق ہوئے اور اُس کو اُلٹ کر کہنے لگے کہ "اس پینڈے میں دے! کیا یہ جگہ نہیں ہے؟"

اُس نے کہا کہ "بہت خوب!"

جوہیں اُس نے دو چار قطرے اس میں دیئے وو ہیں وہ بھی بھر گیا۔

آخر کار وہ روگن لئے ہوئے اپنے گھر آئے اور ماں کو پکار کر کہنے لگے کہ "اماں جان! تیل لو!"

اُس نے جوان جو دو چار بوندوں کو دیکھا تو مُسکرا کر بیٹے سے کہا کہ "واری گئی سیر بھر تیل یہی ہے؟"

اُنھوں نے کہا "نہ صاحب! یہ تو گھلوا ہے، اور تیل تو یہ ہے۔"

یہ کہہ کر جو اُس نے بادیے کو سیدھا کیا تو وہ روکن بھی ٹھکانے لگا۔

مثل مشہور ہے جیسے گئے ویسے ہی آئے۔

۶۵

سُنا ہے کہ ایک بنیا منگل کے روز، نور کے تڑکے، اپنی دوکان گوبر سے لیپ رہا تھا کہ اتنے میں ایک سپاہی نے آکر کہا کہ "بھائی دو پیسے لے اور مجھے سیر بھر آٹا دے!"

بنیئے نے اپنے دل میں کہا کہ "اگر میں صبح کا گاہک پھیرتا ہوں تو اچھا نہیں، اور سودا دیتا ہوں تو ہاتھ گوبر سے بھرے ہیں۔

یہ خیال اُس نے جی میں ٹھہرا کر اُس سپاہی سے کہا کہ "میاں! تم پچھواڑے جاؤ، اپنی بنینی کو یہ پیسے دو اور آٹا بھی اسی سے لو"

اُس نے کہا کہ "وہ مجھے دے گی؟"

بنیا بولا کہ "میرا نام لینا، میاں! اپنی تو مہاجنی کچے تاگے سے بھی کمزور ہے، یہ کیا بات ہے جو وہ نہ مانے"

غرض وہ سپاہی گیا اور بنیائن سے کہنے لگا کہ "تیرے خصم نے یہ پیسے بھیجے ہیں اور مجھ سے کہا ہے کہ اُس سے کہنا کہ یہ پیسے لے اور سیر بھر آٹا دے اور ایک گھڑی میرے ساتھ بھی سو رہے"

اس نے وہ پیسے لئے اور آٹا دے کر کہا کہ "آؤ! اچھا سودا ہو! کیونکہ بھور کے گاہک ہو، پرمیشر سے بھی بڑے!"

یہ کہہ کر اُس کے پاس رہی اور اُس نے فراغت کر کے اپنے گھر کی راہ لی اور جی میں یہ بات ٹھہرائی کہ اب جب تک اس شہر میں رہیئے اسی سے سودا لیا کیجئے

یہ کہہ کر وہ تو اُدھر گیا اور اِدھر اُس کا خاوند آیا۔

اُس نے اُس سے کہا کہ "تم نے یہ نیا بیپار کیا کہ غیر مرد کو میرے رکھنے کی پروانگی دی۔"

یہ سخن سنتے ہی وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ "پھر تو اُس کے پاس رہی؟"

اس نے کہا کہ "رہتی نہ تو کیا کرتی؟ ایک تو تمہارا کہنا اور دوسرے سپاہی کا مقابلہ۔ اگر اُس کی مرضی کے موافق کام نہ کرتی تو کیا رستم زادی تھی جو لڑ مرتی؟"

یہ بات سُن کر وہ کہنے لگا کہ "رام جانے پر بھاوتی! بلا سے ذات گئی ساکھ تو رہی۔"

حاصل کلام صبح کو بنیا پھر اپنی دوکان پر گیا اور وہ بھی اسی وقت اُس کی دوکان پر آ پہنچا اور کہنے لگا کہ "بھائی سیر بھر آٹا دے۔"

یہ سخن سنتے ہی وہ بنیا جل کر کہنے لگا کہ "میاں صاحب! بیاہ بھی کرو گے یا آٹے ہی پر گذران رکھو گے؟"

یہ بات سُن کر وہ شرمندہ ہوا اور اپنے گھر چلا گیا۔

۶۶

سُنا ہے کہ ایک جولاہا اپنے گھر کے لوگوں سے رخصت لے کر غازی میاں کی صحبت کو چلا اور اُس کی عورتوں نے اپنے اپنے مزاج کے موافق سوغات کو کہہ دیا۔

غرض وہ میلے میں گیا اور بخوبی تمام اِدھر اُدھر کی سیر کرنے لگا۔ بعد دو چار دن کے جب اُس نے وہاں سے فرصت پائی تب اجناس سوغات کی خرید کر کے اپنے گھر کی راہ لی اور چوکیداروں کے ڈر سے اُس اسباب کو ایک دوپٹے میں لپیٹ کر اپنے پیٹ پر باندھ لیا۔ اور اُس کے اوپر جامہ پہن کر چل نکلا۔

تھوڑی دور جا کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک نالا بہتا ہے۔ اُسے دیکھ کر اپنی نادانی سے یہ بات جی میں ٹھہرائی کہ اگر میں کپڑے اتاروں تو چوکیداروں کے ہاتھ سے لوٹا جاؤں گا جس سے بہتر یہی ہے کہ پیجامہ اُتار کر کندھے پر رکھئے اور جامہ اُٹھا لیجئے۔ جوں جوں پانی میں بیٹھے توں توں اُسے اونچا کر لیجئے اور جوں جوں گھٹیے توں توں نیچا۔ غرض اسی نشیب فراز میں پار ہو جاویں گے۔ بدن بھی نہ دکھلائی دے گا اور کپڑا بھی نہ بھیگے گا۔

اسی صورت سے اس نے پیجامہ اُتار کر گلے سے لپیٹا اور جامہ اُٹھا کر پار ہو گیا اور

دامن لٹکا کر گھر پہنچا۔ پیجامہ کندھے ہی پر پڑا رہا عورتوں نے جو اُس کو دیکھا تو اپنی اپنی سوغات کے واسطے گھیر لیا کسی نے کہا کہ "پہلے مجھے دے" کسی نے کہا مجھے۔

اس کثرت کو دیکھ کر وہ گھبرایا اور دامن اُٹھا کر کہنے لگا کہ "بیبیو! اپنی اپنی چیزیں پہچان لو!"

جوں ہی اُنھوں نے اسے ننگا دیکھا، وہیں اوہی اوہی کر کے اپنا اپنا رستہ پکڑا۔ اور اُس مسخرے کو اتنا یاد نہ رہا کہ پیجامہ تو میرے گلے پڑا ہے اگر جامہ اٹھاؤں گا تو ننگا ہو جاؤں گا

مثل مشہور ہے کیا جولاہا اور کیا اس کی عقل؛

۶۷

سُنا ہے کہ ایک شخص اپنی نادانی سے ایک شخص کو دوست جانتا تھا اور ایک کو دشمن۔

اتفاقاً اسے سَو دو سَو کا ایک دن ایسا کام پڑا کہ اگر وہ اس کا انجام نہ کرتا تو مارا پڑتا آخر کار جسے دوست رکھتا تھا اسی کے پاس گیا اور احوال اپنی تباہی کا بیان کرنے لگا۔

اُس نے جو یہ حقیقت اُس کی سنی تو تسلّی تو کچھ نہ کی بلکہ صاف جواب دیا۔

وہ وہاں سے مایوس ہو کر پھرا اور اُس دشمن کے پاس جا کر اپنا احوال ظاہر کرنے لگا۔

اُس نے جو یہ مصیبت سنی تو بے اختیار رِقّت کی، اور جس قدر زر اُسے مطلوب تھا اُس قدر اُسی وقت منگوا کر اُس کے حوالے کیا۔

سچ ہے. وقت پڑے پر جانیے کون ہے بَیری کون میت؟

۶۸

سنا ہے کہ ایک شخص نے نہایت ہنسی خوشی سے بیاہ کیا۔ اور جب بنّی کو گھر لایا تب غمگین بن کر بنّا رونے لگا۔

بی بی نے پوچھا کہ "میاں! متفکر کیوں ہو؟"

اُس نے کہا کہ "تہی دستی کے سبب سے"

وہ بولی کہ اندیشہ نہ کرو۔ بھرا پُرا خدا رکھے گا"

وہ چُپ رہا۔ صبح کو پھر سر بہ زانو ہوا۔

اُس نے کہا کہ "اب کیوں گردن جھکائے ہو؟"

کہنے لگا کہ "میں شرابی ہوں"

وہ بولی کہ "کیوں کلیجہ کباب کرتے ہو۔ بیمار کو دارو خدا دیتا ہے۔ جہاں سیر بھر اناج ملے گا وہاں پاؤ بھر وہ بھی"

وہ خاموش ہوا۔ فجر کو پھر ملول خاطر اُسے نظر پڑا۔

اُس نے کہا کہ "اب کیوں پژمردہ دل ہو؟"

بولا کہ "میں ایک عورت سے آشنائی رکھتا ہوں۔"

اُس نے کہا کہ "کچھ مضائقہ نہیں۔ کریم رزاق ہے جس طرح سے ہم کو دے گا اسی طرح سے اُس کو بھی۔"

غرض علی الصباح پھر اُسے اُس نے آشفتہ پایا۔ پوچھا کہ "کیوں حیران ہو؟"

جواب دیا کہ "میں تلوّن مزاج ہوں۔"

یہ سخن سنتے ہی گھبرائی اور رو کر کہنے لگی کہ "میاں! ہم میں تم میں نہ بنے گی۔ مثل مشہور ہے کہ سوجہ ہوں کو ایک تلوّن مزاجی خراب کرتی ہے۔ اگر گھر کرنا منظور ہے تو اس شعر پر عمل کرو۔" شعر ؎

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا ۔۔۔ سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

۶۹

سُنا ہے کہ ایک وزیر نے اپنے بادشاہ سے کسی شخص تیر اندازکی نہایت تعریف کی اور اس کو بھی اس کمال کے سُننے سے بہت ہی خوشی ہوئی۔

حاصل کلام اُس کو اُس کے وسیلے سے حضورِ پرنور میں طلب کیا، اور ایک خلعت فاخرانہ بخشا۔ بعد اس سرفرازی کے سرگرمِ سخن ہوا۔ اور ظرف اس کی صفائی شست کا پوچھنے لگا۔

اُس نے عرض کی کہ جہاں پناہ! آپ کے اقبال سے یہ غلام موم کے تکّے سے فولاد کا توا پھوڑتا ہے اور آہنی تیر سے شیشے کو برماتا ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے آزمائش کے واسطے ایک توا منگوایا اور ایک آئینہ

اُس نے جو اس توے پہ تیر مارا تو وہ اُس میں سے یوں گذرا جوں صابن سے تار۔

اور اُس شیشے سے یوں گذرا جوں کاغذ سے سوئی

بادشاہ کی طبیعت اُس صنعت پر نہایت مصروف ہوئی۔

حاصل کلام ایک خاک کا تودہ بنوایا اور بہت سے لوگوں کو شوق دلا کر کثرت تیر اندازی کی

کرنے لگا۔

اسی صورت سے ایک اور شخص کسی کی سعی سے بادشاہ کے پاس گئے اور اپنی بھی تیراندازی کا اوصاف بیان کرنے لگے۔

بادشاہ نے کہا کہ "اس تودے پر جہاں میرے تیر نے گھر کیا ہے، تم بھی اپنا تیر وہیں مارو۔"

یہ خوش ہوا اور اُس نشانے کو تاک کر تیر لگایا تو وہ اُس نشانے پر تو نہ پہنچا پر ایک حبشی کے سینے پر خاک تودہ سمجھ کر جا بیٹھا۔ وہ بلبلا اٹھا اور مر گیا وہ سوفار سامنے لے کر رہ گیا۔

مثل۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ!

۷۰

سُنا ہے ایک شخص دو چار کھلونے کاٹھ کے اور چھ سات ہاتھی دانت کے اپنی جیب میں ہمیشہ رکھتے۔

اور ہر ایک محفل میں جایا کرتے اور ہر ایک اہلِ محفل کو بغور دیکھتے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس کو سرگرم گفتگو یا متوجہ علم پاتے اُسے تو کچھ نہ کہتے اور جس کو اپنے بند سے یا شطرنجی کے دھاگے سے یا کسی تنکے سے کھیلتا ہوا دیکھتے تو آگ ہو جاتے، اور یہی چاہتے تھے کہ اُس کو اُسی تنکے سے بھوک دیں مگر بہ لاچاری اپنی جگہ سے اُٹھتے اور ایک کھلونا جیب سے نکال کر اُس کے ہاتھ میں دیتے اور یوں فرماتے کہ "میاں صاحب! ایسی حرکت بے جا نہ کرو! اگر کھیلنا منظور ہے تو اس سے کھیلو" اس واسطے کہ وہ شرمندہ ہوئے اور حرکتِ لایعنی سے باز رہے۔

۷۱

سُنا ہے کہ ایک شخص ہمیشہ مفلوک الحال رہا کرتا تھا اور مارے فاقے کے اُٹھ بیٹھ بھی نہ سکتا تھا۔ اسی واسطے برسرِ رہ پڑا رہتا تھا کہ جو کوئی اُس طرف سے گذرے گا اور وہ مجھے اس حالت میں گرفتار دیکھے گا تو البتہ موافق اپنی توفیق کے کچھ نہ کچھ دے ہی جاوے گا۔

غرض اسی طرح سے وہ گذران کرتا تھا اور اپنی زیست کے دن بھرتا تھا۔

تفاقاً ایک دن اُس رستے سے بادشاہ کی سواری نکلی اور چشم ملک اُس پر پڑی۔ اس احوال سے جو وہ نظر پڑا تو بادشاہ نے اُس پر نہایت تاسف کھینچا۔

حاصل کلام دس بیس ہزار روپے کا اُسی وقت اُس سے سلوک کیا اور کچھ روزینہ بھی مقرر کر کے اپنے قلعے پر داخل ہوا، اور وہ اُس زرِ بادشاہی سے نہال تو ہوا پہ دن مصیبت کے بھول کر ہر ایک شخص پر تشنیع کرنے لگا اور ایسا بکواسی ہوا کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔

چنانچہ تمام دن کھاتا اور واہیات بکتا

آخرش اس گفتگو سے ایک شخص دق ہوا اور کہنے لگا کہ "بے! تیری بھی وہی مثل ہوئی کہ پیٹ میں پڑیں روٹیاں تو سب ہی گلاں موٹیاں"

۶۲

سُنا ہے کہ ایک شخص مُحِبِ حضرتِ مرتضویٰ علیہ السلام ہر سال محرم میں تعزیہ داری جنابِ حضرتِ حسنین علیہما السلام[ل] کی کیا کرتا اور موافق اپنی مقدور کے عزاداریِ حسنین علیہما السلام میں خرچ کرتا۔ اتفاقاً گردشِ فلکی سے وہ ایک سال محتاج ہوا اور جو تھوڑا بہت اسباب رکھتا تھا سو بھی موسمِ گرما میں بہ سبب آتش زدگی کے جل بجھا اور ایامِ عاشورہ قریب پہنچا۔

چنانچہ ستائیسویں ذیقعدہ کو پہر ڈیڑھ پہر دن رہے وہ کہیں سے تھکا ماندہ جو اپنے گھر آیا تو پریشان خاطر و متفکر مزاج، ہراساں سا انگنائی میں پھرنے لگا۔

بی بی نے جو اس کو اس صورت سے دیکھا تو گھبرا کر پوچھا کہ "میں نے آج تک تم کو اس بے قراری سے کبھی نہیں پایا۔ اور اب خلافِ عادت جو اس قدر آشفتہ خاطر دیکھتی ہوں اس کا سبب کیا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "تو خوب جانتی ہے کہ میں تعزیہ دارِ جنابِ حسنین علیہما السلام ہوں اور برس کے برس گھوڑا بنا کر عزادارانِ اہلبیت علیہم السلام میں داخل ہوتا ہوں۔ اور اب کی بار اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ مجلسِ حسین علیہ السلام جماؤں اور گریہ وزاری میں شریک ہوں۔ کچھ تدبیر نہیں بنتی۔ آہ کیا کروں!"

ل علیہما السلام

کس سے کہوں ؟"

یہ بات سُن کر وہ بھی بے قرار ہوئی اور کہنے لگی کہ "میں بھی الفتِ آلِ عبا سے بجاں رکھتی ہوں اس کام میں بہ جاں حاضر ہوں۔ اب مجھے کسی کے ہاتھ بیچنے کو جا ہو اتنے کو بیچو اور ماتم دارِ حسینؑ ہو!"

یہ سخن کر وہ اُس کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ "آفریں! اس تیری ہمت پر اور مرحبا اس محبت پر۔ بی بی! بات یہ ہے کہ تو اب ضعیفوں میں گنی جاتی ہے۔ اگر یہی جی میں ٹھانی ہے تو لڑکی کی پروانگی دے کیونکہ وہ میری تیری شرکت میں ہے۔ جتنا میں دعویٰ رکھتا ہوں اُتنا تو بھی۔ میں اپنا حصّہ جنابِ حسینؑ پر تصدق کرتا ہوں تو بھی اپنا نثار کر!"

یہ سخن سنتے ہی وہ سر بہ زانو ہوئی اور کہنے لگی کہ "میں اُس سے بھی پوچھ لوں زری۔ کیونکہ وہ فرزندی سے نکلے گی اور باندیوں میں داخل ہو گی رضامندی اُس کی ضرور ہے۔"

اُس نے کہا کہ "اچھا"

غرض وہ اپنی بیٹی سے کہنے لگی کہ "جانی! ارادہ تیرے باپ کا یہ ہے کہ تجھے بیچے اور اہلِ عزاِ جنابِ حسینؑ کا بنے۔ اس امر میں تیری مرضی کیا ہے؟"

جونہیں اُس نے یہ بات سُنی وونہیں بہ بجان خوش ہوئی اور یہ بات اپنی ماں سے بخوبی کہی کہ "اماں جان! اس کام میں میں حاضر ہوں بہ جان۔ واسطے خدا کے جلدی کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس دولتِ عظمیٰ کو میرے ہاتھ سے دو۔"

آخرکار اُس عورت نے وہ لڑکی بہ نام حسینؑ اپنے خاوند کے حوالے کی اور وہ اُس کو برقع اُڑھا کر بازار میں لے گیا، اور جہاں بردے بکتے تھے وہاں بٹھلا کر منتظر خریدار ہوا کہ اتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار آیا اور اُس لڑکی کی قیمت پوچھنے لگا۔

اس نے کہا کہ "اگر ہزار دینار دلواؤ گے تو اس کنیز کو پاؤ گے۔"

اس نے کہا کہ "اے عزیز! اگر اس کا منہ دیکھوں اور پسند کروں تو ہزار ہی دینار دوں۔ ہرگز تامل نہ کروں۔"

اُس نے برقع اُٹھانے کو جوں ہی ہاتھ بڑھایا وہیں باز رکھا اور رونا شروع کیا یہ حالت دیکھ کر وہ متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ "بھائی! تو ہی اسے بیچتا ہے اور آپ اپنی حالت تباہ کرتا ہے اس کا سبب کیا ہے؟"

اس نے کہا کہ "حضرت سلامت! یہ میری بیٹی ہے اور میں نادار ہوں، اس واسطے اسے حسنینؑ کے نام پر بیچتا ہوں۔ تم نے منہ کھولنے کو کہا۔ چاہتا تھا کہ کھولوں پر مارے غیرت کے اتنی طاقت نہ ہوئی کہ اس کا برقع اُٹھاتا اور تمھیں دکھلاتا۔"

یہ بات سنتے ہی اُس لڑکی نے ایک حشر برپا کیا اور اپنے سر کے بالوں کو نوچ نوچ کر کہا کہ "باباجان! تم کیوں کر محبّ آلِ عبا ہو جو میرے منہ کے کھولنے پر شرم کرتے ہو اور احوال اہلِ بیت کا نہیں سُنا جو جو ستم اُنھوں نے ظالموں کے ہاتھ سے اُٹھائے اور رنج کھینچے۔ حیف ہے کہ میں سر ننگے نہ ہوں اور وہ برہنہ پا پھریں۔"

یہ کہہ کر اُس خریدار سے کہنے لگی کہ "اے مرد! اگر مجھ کو مول لیتا ہے تو لے اور نہیں تو جواب دے۔"

غرض اُس نے اُس کو مول لیا اور اپنے گھر کا رستہ پکڑا۔

یہ ہزار دینار لے کر اپنے گھر آیا اور کارِ حسنینؑ میں مشغول ہوا۔ اور اُس نے جا کر اپنی ماں سے کہا کہ "اماں! یہ لڑکی نہایت خوبصورت ہے۔ اسی سے صبح کو میرا نکاح پڑھوا دو" اتنے میں رات ہوئی۔ ہر ایک نے اپنے سونے کی تیاری کی۔ جب اُس عورت نے اس

لڑکی کو ایک کھٹولی دی اور کہا کہ "بی بی! تو بھی کہیں سو رہ! فجر کو تجھے دلہن بنا دیں گے اور کپڑے اچھے پہنا دیں گے۔"

غرض سب کے سب سو رہے۔

بعد آدھی رات کے وہ خریدار کیا خواب دیکھتا ہے کہ جناب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہزار دینار کا توڑا لئے ہوئے سرہانے کھڑے ہیں اور بہ آواز بلند کہتے ہیں کہ "بھائی اپنے ہزار دینار لے اور یہ لڑکی مجھے دے کیونکہ یہ جناب حسنینؑ کے نام پہ بکی ہے۔ یہ بہشت میں جائے گی اور باندی پن سے نکل کر شہزادی کہلائے گی۔"

جونہیں اُس نے یہ خواب دیکھا ووں ہیں وہ اس لڑکی سے جا کر کہنے لگا کہ "بی بی! میں نے اپنے ہزار دینار پائے تو اپنے گھر جا۔ اگر میں تجھے بدنظر دیکھوں تو جل ہی جاؤں گا۔"

اس نے کہا کہ تو نے اپنے ہزار دینار کس سے پائے اور میں اپنے گھر کیوں کر جاؤں؟"

وہ بولا کہ میں نے ابھی حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور جناب فیض مآب یوں ارشاد کرتے ہیں کہ "اپنا زر لے اور یہ لڑکی مجھے دے۔" اور میری جو آنکھ کھلی تو میں نے اپنے ہزار دینار اپنے سرہانے دیکھے۔ تو اپنے گھر چل اور اپنے باپ ماں سے مل"

حاصل کلام وہ اُس لڑکی کو لے کر اُس کے باپ کے پاس گیا اور ماجرا خواب کا بیان کر کے اُس لڑکی کو اُن کے حوالے کر کے اپنے گھر آیا۔

وہ حسنینؑ کے نام پر بک کر شہزادی بنی اور اپنے باپ ماں سے ملی۔ حق تو یہ ہے کہ جو آلِ عبا کے نام پر بکے گا سو دونوں جہاں کو مول لے گا۔

۷۳

سُنا ہے کہ نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم نے جب صاحبان انگریز بہادر دام اقبالہٗ سے میدان بکسر میں مقابلہ کر کے شکست پائی تو ایسا قدم بڑھا گئے کہ سوائے بنگلے[1] کے راہ میں کہیں اور نہ ٹھہرے۔ ایک تو کثرت فوج ہمراہ رکاب تھی ہی اور بھی نگہداشت شروع کی۔

چنانچہ جس مکان میں بیٹھے تھے اُسی کے سامنے کوس آدھ کوس پر ایک حد مقرر کی اور ہر ایک کو یہی پروانگی دی کہ جسے نوکری کرنی منظور ہو سو جمعہ کے روز صبح سے دن چڑھے تک اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر رہے۔ جس کی طلبی حضور سے ہو، وہی اپنے گھوڑے کو ڈپٹتا یہاں تک آوے۔ اگر وہ پسند پڑے گا تو سلک ملازمان خاص میں داخل ہوگا اور نہیں تو جواب پاوے گا۔

غرض ہر ایک شخص سوار متوقع روزگار جاتا اور اُتنے ہی عرصے تک حاضر رہتا۔ جس کا نصیب لڑتا، سو نوکر ہوتا۔ اسی صورت سے ہزاروں ہی جمع ہوئے اور سیکڑوں ہی رکھے جاتے تھے۔

---

[1] اُن دنوں فیض آباد کو بنگلہ کہتے تھے (مرتب)

حاصل کلام موافق معمول کے ایک سوار کی طلبی ہوئی اور اس نے اپنے گھوڑے کی باگ لی تو جھپ وہیں آ پہنچا اور گھوڑے کو کاوے دینے لگا۔

اتفاقاً اس روز نواب موصوف نے اس سے یہی سوال کیا کہ "تمہارا گھوڑا کتنا بھاگتا ہے؟"

یہ سخن اس کو نہایت ناگوار معلوم ہوا، بلکہ تھرتھرانے لگا اور کہہ ہی بیٹھا کہ "خداوندا بکسر سے بنگلے تک!"

یہ لطیفہ جناب مرحوم پر کھلا۔ پھر ہزار چاہا کہ نوکر رہے۔ نہ رہا۔

۷۴

سُنا ہے کہ کاکوری میں کسی شخص عمدہ نے ایک دن بہت سے لوگوں کی مہمانی کی اور ایک مکانِ عالی شان میں ان کو بلوا کر بٹھلایا اور کھانے اقسام اقسام کے پکوا کر اپنے نوکروں کو فرمایا کہ "تم ہر ایک حصّہ برابر بنا کر اُن کے آگے چُنو۔"

چنانچہ اس محفل میں دو کانے بھی برابر برابر بیٹھے تھے۔ ایک تو دہنی آنکھ نہ رکھتا تھا اور ایک بائیں۔

حاصل کلام قاسم اُس محفل میں وہ آئے اور ہر ایک کے سامنے ستھرے تورے بنا بنا کر دھرنے لگے۔

جب نوبت اُن دونوں کی پہنچی تب ایک نے ہنسی کی اور یہ بات کہی کہ "میاں! اگر تورے بندی کرتے ہو تو آدمیوں کو شمار کر کے کرو۔ تم ہی دیکھو کہ ہم دونوں میں ایک اندھا رہا جاتا ہے۔"

۷۵

سُنا ہے کہ ایک شخص اپنی جورو سے رُخصت لے کر پردیس گئے اور بعد ایک مدّت کے صحیح وسلامت تشریف لائے۔ بی بی اُن کی بہت خوش ہوئی اور تیاری کھانے پینے کی اُس روز اُس نے بڑی دھوم سے کی اور آپ بھی زیور و اسباب سے آراستہ ہو کر بنی ٹھنی۔

جب کھانا پینا کھلا پلا چکی اور رات بھی سر پر آئی تب اُس نے ایک پلنگ ستھرا سا کوٹھے پر بچھایا اور اپنے خاوند کو وہاں سے لے جا کر اسی پر سُلایا۔ اس امید پر کہ یہ اپنی مئے وصال سے اس کُشتۂ خمارِ ہجراں کو سرشار کریں گے اور شگمِ صدفِ اُمید کو گوہرِ ابرِ نیساں سے بھریں گے۔ اور وہ کم بختی مارے خدا جانے کہاں سے ایسے تھکے ماندے آئے تھے کہ اُس پر گرتے ہی ایک پٹی سے لگ رہے اور وہ ہر چند کروٹیں لیا کی پر اُن کی آنکھ تا سحر نہ کھُلی۔

آخر کار وہ بھی لاچار ہو کر ایک پٹی سے لیٹ کر سو رہی صبح کو یہ اُٹھے اور خفگی سے نوبہار کو بہ آوازِ بلند کہنے لگے کہ "جلد ٹھنڈا چولھے پر چڑھا میں نہاؤں گا۔"

اس آواز کے سنتے ہی وہ چونکی اور مسکرا کر کہنے لگی۔

برہن برس پر پیا جو آئیں — اونچی اٹریا سیج بچھائیں
اپنی کروٹ رہیں سوئے — لینا ایک نہ لینا دوئے
بھور بھئے پیا اُٹھے رسائے — تتّا پانی دیو چڑھائے
گھونگھٹ میں تریا مُسکانی
کیس برتنے برتتّا پانی

۷۶

سُنا ہے کہ ایک مہاجن نہایت مالدار تھا اور دو لڑکے سن صغیر رکھتا تھا۔

اتفاقاً وہ بیمار پڑا اور قریب ہلاکت کے پہنچا۔ جب کچھ صورت شفا اس کو نظر نہ آئی تب تدبیر اُس نے اپنے جی میں ٹھہرائی کہ اپنے گماشتے کو بلوائیے اور یہ دونوں صندوق مقفل اُس کے حوالے کیجیے اور قدرے وصیت کیجیے۔

اس خیال کو دل میں جگہ دے کر اُس نے اُس کو بلایا اور کہا کہ "بھائی! میں تجھ کو بہت عزیز رکھتا ہوں اور دیانت دار بھی جانتا ہوں۔ سوائے تیرے اور کوئی دلسوز نظر نہیں آتا اور میرا بھی وقت قریب آ پہنچا۔ اب یہ وصیت آخری سُن اور اُس پر عمل کر!"

اُس نے کہا کہ "جو کہو گے اُس پر عمل کروں گا۔"

یہ بات سن کر وہ کہنے لگا کہ "یہ دو صندوق مقفل اپنے پاس رکھ۔ جب یہ یتیم دس بارہ برس کے (بعد جوان) ہوں تب ان کو دے دینا اور اُس کا پُن پرمیشر سے لینا۔"

حاصل کلام یہ دو چار باتیں کر کے وہ مر گیا اور بیکنٹھ باشی ہوا۔

وہ بھی اُن صندوقوں کو اپنے گھر لے آیا اور لڑکوں کو بھی اپنے گھر لے آیا اور پرورش

کرنے لگا۔ بعد دس برس کے وہ لڑکے جوان ہوئے اور اپنے باپ کا کاروبار کرنے لگے۔

گماشتہ ایمان داری میں یکتائے دہر تھا۔ ایک دن وہ دونوں صندوق لڑکوں کے پاس لے گیا اور کہنے لگا کہ "بابو! تم کو اب بھگوان نے پروان چڑھایا۔ یہ دو صندوق مقفل تمھارا اپنا میرے پاس دھرا ہوا تھا جس سے بہتر یہی ہے کہ ایک رسید دو اور اپنی امانت لو۔"

یہ بات سن کر وہ خوش ہوئے اور اُن صندوقوں کو کھول کر دیکھنے لگے تو ایک کو جواہر سے بھرا دیکھا اور دوسرے کو پتھروں سے

لونڈے گرم خون تو تھے ہی مارے لالچ کے اُلجھ ہی پڑے اور کہنے لگے کہ "اے بے ایمان! باپ ہمارا ہم دونوں کے واسطے یہ چھوڑ گیا تھا جیسے ہم اُس کے نزدیک فرزندی میں یکساں ہیں ویسا ہی ہمارا حصہ بھی برابر۔ پتھر پڑیں تیرے ایسے ایمان پر جو تو نے ایک صندوق سے جواہر لے لیا۔ ہم ایسے بے وقوف نہیں کہ جواہر چھوڑیں اور جواہر کے بدلے سنگ ریزے لیں۔"

اُس نے کہا کہ "میں جھوٹ نہ کہوں گا۔ جو وہ مجھے سونپ مرا تھا وہی دیتا ہوں۔ اس میں مو برابر تفاوت نہیں۔"

اُنھوں نے کہا کہ "نہیں تو نہیں۔ پر ہم بھی تجھے اب چھوڑتے نہیں۔"

یہ کہہ کر اُس سے لپٹ گئے اور مار پیٹ کرنے لگے۔

آخرکار یہ مقدمہ رفتہ رفتہ حاکم کے پاس گیا۔ چنانچہ وہ دعویٰ کرتے تھے اور وہ انکار۔ نہ اُن کے پاس فرد تفصیل نہ اُس کے پاس گواہ دو چار۔ اسی سبب سے وہ مقدمہ کسی حاکم سے فیصل نہ ہوا اور طول کھینچتے کھینچتے کسی صاحب عالی شان تک پہنچا اور صاحب موصوف نے جو اپنے دل میں دریافت کیا تو کچھ لگاؤ انفصال کا نہ پایا تب تو نہایت

متفکر ہوئے اور یہ فرمانے لگے کہ ان دونوں صندوقوں کو منگواؤ تا کچھ ذہن لگے۔"
یہ بات سنتے ہی وہ گئے اور وہ صندوق بھی لے آئے۔

اور خداوند نے جو اُن کو کھولا تو فی الواقع ایک جواہر سے بھرا دیکھا اور ایک کنکر پتھر سے۔ تب تو صاحب موصوف نے دو چار صاحبوں کو بلوایا اور دس بیس مہاجنوں کو مع کانٹے اور جھکڑے کے طلب کیا اور کہا کہ "تم صندوق سے ایک جواہر لو اور ایک سنگ ریزہ پلّوں پر چڑھا چڑھا کر تولو۔ دیکھو تو وہ اِس میں برابر اُترتے ہیں یا کچھ کم زیادہ ہوتے ہیں؟"
چنانچہ ہر ایک سنگ ہر ایک جواہر کے برابر نکلا اور شمار میں بھی پورا مِلا۔

یہ حالت دیکھ کر صاحب نے اُن مہاجنوں سے پوچھا کہ "کیوں تم نے دریافت کیا۔ یہ کیا بھید ہے؟"

اُنھوں نے عرض کی کہ "خداوندا وہ شخص نہایت شعورمند تھا۔ ہم کو اب دریافت ہوا۔ اور ہمارے یہاں کا دستور بھی یہی ہے کہ جواہر کے ساتھ اُس کا ہم وزن سنگ بھی رکھتے ہیں۔"

اور ایک فرد بھی لکھی ہوئی موافق شمار کے نکلی۔

صاحب والاشان نے یہ مقدمہ یوں فیصل کیا۔

دودھ کا دودھ پانی کا پانی!

۷۷

سُنتا ہے کہ ایک زمیندار نے اپنی رعیّت کو پچاس روپوں کے واسطے باندھا اور خوب ساٹھونکا اور اُس سے اِس مار پیٹ پر بھی ان روپوں کا بندوبست نہ ہو سکا۔

آخر کار زمیندار نے چالیس روپوں پر تو اُس کا گھر بار لگا لیا اور باقی دس روپوں میں بیل بدھیا اور جرمانے کے سو روپوں کی خاطر اُس کے پاؤں میں کاٹھ ڈال دیا۔ اور کہا کہ "جب تک یہ رُپے نہ پہنچاوے گا تب تک خلاصی نہ پاوے گا"

اُس نے کہا کہ "مہاراج! اگر پچاس ہی رُپے کے دینے کا مقدور رکھتا تو اپنا گھر بار بیل بدھیا کیوں بکنے دیتا۔ وہی نہ حاضر کرتا۔ آپ خوب جانتے ہیں جب ان کا سرانجام نہ کر سکا تب نہ مہاراج نے سب کچھ بکوا لیا۔ اب تو وہ بھی نہیں کہ جن کو بیچ کر چھٹوں"

یہ بات سن کر وہ زمیندار چپ ہوا اور اُس کے جواب دینے سے بھی ہارا تو اپنے ٹھکر پیادوں سے کہنے لگا کہ اُس کے منہ میں منہ مارو!"

اُس نے کہا کہ "دوہائی بابو کی یہ کیا کرتے ہو؟"

وہ بولا کہ "بھگوے! تیں نے اس مثل کو نہیں سُنا۔ حاکم ہارے منہ میں مارے"!

۷۸

سُنا ہے ایک شخص کے پانچ ہزار روپے کسی کوتوال پر آتے تھے۔ قضا کار ایک دن وہ اپنے روپوں کا تقاضا کرنے گیا

کوتوال نے کہا کہ "بھائی! دو چار گھڑی رات گئے تم آؤ۔ اپنے روپے سب کے سب حساب کر کے اکٹھے لے جاؤ۔"

غرض وہ غریب اسی وقت اپنے گھر سے نکلا اور اس کے گھر کی طرف چلا اور یہاں پہلے ہی اُس نے اپنے پیادوں سے کہہ رکھا تھا کہ "وہ جس وقت اس کوچے میں آوے تم بلا تأمل اُسے چور چور کہہ کر باندھ لو، صبح کو میں بادشاہ کے پاس لے جاؤں گا اور توپ سے بندھوا کر اُڑوا دوں گا۔ نہ رہے گا نہ تقاضا کرے گا۔"

اور وہ بے چارہ نصف کوچے تک بھی نہ پہنچا ہوگا کہ اتنے میں اُن فرشتوں نے اُسے باندھا اور اپنے خداوند کے پاس پہنچایا۔

رات کی رات وہ نیم جاں محبوس خانے میں رہا اور صبح کو کوتوال اُس کی مشکیں چڑھا کر حضورِ اعلیٰ میں لے گیا اور احوال اُس کی گرفتاری بہ علّت چوری ظاہر کیا۔

بادشاہ چور کے نام سے آزردہ تھا ہی فی الفور حکم دے بیٹھا کہ اس کو بھی توپ سے باندھ کر اڑا دو!"

وہ اجل گرفتہ ہر چند دوہائی دے دے کر کہتا رہا کہ خداوندا! میں نہ چور نہ چور کا بھائی میرے قتل کرنے کو کیوں جہاں پناہ نے یہ بات فرمائی۔ میں اس کوتوال سے اپنا قرض مانگنے گیا تھا۔ وہ مجھے وہاں سے باندھ لایا ہے۔ میں اپنی بے گناہی پر حق تعالیٰ کو گواہ رکھتا ہوں اور آج آپ کے حکم سے مفت مارا جاتا ہوں۔"

مثل مشہور ہے چوٹٹی کتیا جلیبیوں کی رکھوالی۔ کوتوال ہی اُس کی جان کا دشمن ہوا تو فریاد کون سُنے۔ توپ پر دھر کے اُڑا ہی دیا۔ خونِ ناحق بھی حقیقت رکھتا ہے۔ اُن مفسدوں کی گردن پر چڑھا۔

حاصل کلام بعد دو تین مہینے کے وہ پیادے کسی بات پر کوتوال سے بگڑے اور یہ خبر اُڑتے اُڑتے بادشاہ تک پہنچی۔

بادشاہ نے کوتوال کو پیادوں سمیت بلا کر پوچھا کہ سچ کہو، تم آپس میں کیوں جھگڑتے ہو؟ آخر کار ایک ایک کی پردہ دری کرنے لگا

پھر تو یہ بات بادشاہ پر انہیں کے اقرار سے ثابت ہوئی۔

بادشاہ نے پہلے تو کوتوال کو مارا۔ پھر اُن پیادوں کو قتل کیا اور آپ بھی بادشاہت چھوڑ کر فقیر ہو گیا۔ اسی واسطے کہ پھر کہیں کوئی اہل کار کسی طرح کی کسی کے حق میں تقریر بد کرے اور اُس کی گفتگو سے مجھ کو یقین ہو کہ یہ قابلِ قتل ہے اور وہ میرے حکم سے مارا جائے تو مجھ پر مفت کا گناہ عائد ہو۔"

یہ بات سمجھ کر جب تک جیا فقیری ہی کیا کیا۔

۷۹

سُنا ہے کہ ایک شخص کی جورو سے کسی شخص نے آشنائی کی اور یہ بات ایک مُدت تک یوں ہی چھپی رہی۔

اتفاقاً ایک دن اس نے اُن دونوں کو چارپائی پر پکڑا اور کوتوال کے پاس لے گیا، اور مفصل اُن کا احوال ظاہر کیا۔

کوتوال نے اُن کو لال خاں کے لکڑے سے جکڑوا پٹوانا شروع کیا۔

جب وہ مار کھانے لگے تب تو بہت سے چھوٹے بڑے اُس شہر کے جمع ہوئے اور تماشا دیکھنے لگے۔ ایک شخص اُس حالت کو دیکھ کر کہنے لگا کہ "سچ ہے کیوں کوئی کسی کی بی بی سے دوستی کرے۔ مثل مشہور ہے ساجھے کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹے۔"

۸۰

سُنا ہے کہ ایک روہیلے نے اپنے یاروں سے کہا کہ "آج میں نے ایک کارِ ثواب کیا ہے۔ یقین ہے اس کے وسیلے سے بخشا جاؤں۔"

وہ متعجب ہو کر کہنے لگے کہ "وہ کون سا تجھ سے ہوا ہے کارِ خیر جو جنابِ الٰہی سے ہے بخشش کا امیدوار۔"

اُس نے کہا کہ "صبح کو میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شکار کھیلنے جاتا تھا۔ اتنے میں ایک لڑکا برس ڈیڑھ برس کا کھیلتا ہوا مجھے نظر پڑا، اور اُس وقت اُس کے پاس کوئی نہ تھا جو اُس کی حفاظت کرتا۔ میں نے اپنے جی میں ترس کھایا اور کہا کہ "اگر یہ لڑکا یہاں کھیلے گا تو یقین ہے کہ کسی نہ کسی کے گھوڑے سے روندا جائے گا۔

اس گمان کو دل میں جگہ دے کر برچھی سے اُٹھا کر ایک چھپر پر لٹا دیا۔ بلا سے اب مرے گا تو ضرب برچھی سے مرے گا۔ گھوڑے کی ٹاپ سے تو دھجیاں نہ اُڑے گا۔

یہ بات سن کر وہ ہنسے اور کہنے لگے "اوجہ یاراں! ایسے کام ہم نے کئے ہیں بارہا۔"

۸۱

سُنا ہے کہ دو روہیلے آپس میں متفق ہو کر کسی طرف چلے۔ راہ میں دریا کو دیکھ کر گھبرائے اور کشتی تلاش کرنے لگے کہ اتنے میں ایک ناؤ گذارے کے گھاٹ پر نظر پڑی دیکھتے ہی دوڑے اور پکار پکار کہنے لگے کہ ”ارے ملاح خبردار! اگر بے ہمارے چڑھائے کشتی کھولے گا تو تیروں سے چھیدا جائے گا۔

یہ بات سُن کر وہ ڈرا اور اُس کشتی کو کنارے پر لے آیا۔

چنانچہ اُس پر دو عورتیں نہایت حسین و خوبصورت چڑھی تھیں بلکہ اُنھیں کے واسطے وہ کھلی تھی۔ جب یہ اُس پر بیٹھے تب وہ مارے ڈر کے اُترنے لگیں۔

اُنھوں نے اُن نیک بختوں سے کہا کہ ”بیبیو! تم مت اُترو اور ہم سے مت دہشت کرو، ہم بھی بھلے آدمی ہیں۔ پرائی حُرمت کو اپنی ہی جانتے ہیں۔ سوائے اس کے آج سے تم دونوں ہم دونوں کی بہنیں ہو۔ کیا طاقت جو کوئی تمھاری طرف نظر دیکھے۔“

یہ سخن سُن کر وہ خوش ہوئیں اور اُترنے سے باز رہیں۔

حاصل کلام جب وہ کشتی اُس کنارے پر پہنچی تب وہ اُس پر سے اُتریں، اور وہ بھی تھوڑی ہی دور جا کر ایک نے ایک سے کہا کہ "او چہ یاراں! ہمارا بہن تم لو، اور اپنا بہن ہمیں دو!"

غرض اُن دونوں بدذاتوں نے اُن دونوں کو خراب کیا اور جو کچھ زر و زیور اُن کے پاس تھا سو بھی چھین لیا۔

۸۴

سُنا ہے کہ ایک پنج ہزاری نہایت عمدہ تھا۔ اور دولت کے حسب و تنخواہ رکھتا تھا جب وہ قریب مرگ کے پہنچا تب لڑکوں کو یہ وصیّت کرنے لگا کہ "بابا! تم میری اولاد ہو، یہ وصیّت یاد رکھو۔ دربار بادشاہی میں تاروں کی چھاؤں میں جانا اور چاندنی میں گھر آنا، اور ایک بیاہ ہمیشہ کرنا"

یہ دو چار باتیں کرکے جاں بحق ہوا، اور لڑکوں نے جب اُس کی تعزیت سے فرصت پائی۔ تب اُس کی وصیّت پر کمر باندھی۔

چنانچہ بڑے نے تو ایک خیمہ اپنی حویلی سے لے کر تا بدولت خانہ بادشاہی بادلے کا استادہ کیا اور اُس میں مقیش کے ستارے ٹکوائے اور دو طرفہ بانات کی تنائیں کھنچوائیں۔ چھاؤں تو یہ مقرر کی اور چاندنی ہزاروں روپیوں کی مہتابیاں چھڑوا کر پیدا کرتا تھا۔ اسی صورت سے وہاں جاتا تھا اور اسی طرح سے اپنے گھر آتا تھا اور ایک بیاہ بھی ہر روز کرتا تھا۔

تھوڑے ہی عرصے میں اُس کے تو اس خرچ کے باعث ختنے ڈھیلے ہوئے، اور اُس نے اپنے لوگوں کو بالکل برطرف کرکے ایک مشعلچی اور ایک دو خدمتگاروں پر اکتفا کیا۔ کیونکہ

دو گھڑی رات گئے قلعہ میں جاتا تھا۔ تحمل کچھ ضرور نہ تھا۔ اور دو گھڑی شب گذرے گھر آتا آتا تھا۔ ایک ہی مشعلچی کافی تھا اور جمعہ کے روز اپنی بی بی کو نہلا دھلا، عطر وار گجے میں ڈبا، کپڑے پہنا جواہر سے آراستہ کر، سیج کی بنتی بنا، ساتھ شب کو لے کر سوتا۔ خرچ کا خرچ کم ہوا، دولت کی دولت بڑھی۔ بی بی راضی رہی۔ بربادی گھر کی بھی نہ ہوئی۔

اور یہ ماجرا رفتہ رفتہ بادشاہ تک پہنچا۔ بادشاہ نے اُن دونوں کو طلب کر کے بڑے سے پوچھا کہ "تو نے اس قدر خرچ کیوں بڑھایا؟"

اُس نے عرض کی کہ "خداوندا! میں وصیت باپ کی بجالایا جو اس قدر مفلس و محتاج ہوا۔" پھر اُس چھوٹے کو ارشاد کیا کہ "تو نے اتنا زر کہاں سے پیدا کیا؟"

اُس نے عرض کی کہ "میں باباجان کا کہنا بجالایا، اس باعث سے آباد ہوا۔"

یہ بات اُن دونوں کی سُن کر بادشاہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ "تعجب ہے وصیت ایک تم دونوں بجالائے، ایک فقیر ہوا اور ایک تونگر۔"

چھوٹے نے کہا کہ "خداوندا! سمجھ میں فرق پڑا۔"

حاصل کلام بادشاہ نے اس کو دانا سمجھ کر اور بھی سرفراز کیا اور اُس کو نادان جان کر مجرے سے بھی محروم کیا۔

پس لازم ہے ہر ایک شخص کو کہ جو کام کرے سوچ سمجھ کر کرے اور حکمت لپسند!

۸۳

سُنا ہے کہ کسی ملک کے دو شخص باہم نکلے، اور ایک شہر میں جا کر نوکر بادشاہ کے ہوئے اور ایک ہی مکان میں رہنے لگے۔

ایک تو جو کچھ کماتا تھا، اور کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتا تھا۔ دوسرا نہ آپ کھاتا تھا، نہ راہِ مولا میں خرچ کرتا۔ اِدھر اُدھر سے پیٹ بھرتا تھا اور جمع کرنے پر مرتا تھا۔ جب سَو دو سَو جمع کرتا تب چور آتے اور اس نقدی کو بہ ہر طور لے جاتے اور یہ تو کچھ رکھتا ہی نہ تھا۔ اس کے پاس آتے تو کیا پاتے۔ مثل مشہور ہے نہ باسی رہے نہ کتّا کھائے۔

ایک دن کسی شخص نے اُن دونوں سے پوچھا کہ "صاحبو! آمدنی تم دونوں کی ایک۔ صاحب تو کھلاتے پلاتے رہتے ہیں اس سبب سے کچھ جمع نہیں کر سکتے اور آپ تو صرف جمع کرتے ہیں پھر کیوں محتاجوں کی سی صورت بنائے رہتے ہیں؟"

دوسرے نے کہا کہ "تم نے اس مثل کو نہیں سُنا۔ برس میں سخی و شوم برابر ہو رہتا ہے۔ میں لوگوں کے واسطے کماتا ہوں اور یہ چوروں کے۔"

۸۴

سُنا ہے کہ ایک شخص اپنے گھر میں آدھی رات کو چارپائی پر پڑا انگنائی کو دیکھ رہا تھا کہ ایک چور پچھواڑے کی راہ سے صحن خانہ میں آیا۔ اور وہ اُس کے پیچھے دوڑا اور بھاگ کر دیوار پر چڑھ گیا۔ اُس نے اُس کا پاؤں پکڑ لیا۔

اُس نے کہا کہ اُف میرا پھوڑا دبا۔ وہیں اُس نے گِھنیا کر چھوڑ دیا، ووں ہی وہ کافور ہوا۔

مثل مشہور ہے اگر حواس رکھے تو اُف سے بھی بچ رہے۔

۸۵

سُنا ہے کہ ایک شخص اپنے ملک سے تباہ ہو کر کسی شہر میں گیا۔ اور وہاں کے بادشاہ کا نوکر ہو کر دس ہزار روپے کی اشرفی کا مالک ہوا۔

بعد تھوڑے دنوں کے حضور اعلیٰ سے وہ رخصت ہو کر اپنے گھر کی طرف چلا۔ جری تو نہایت تھا کسی کو اپنے ساتھ رکھنے کا متلاشی نہ ہوا بلکہ آپ ہی تن تنہا اُن اشرفیوں کو ایک خچر پر لاد کر لے نکلا اور خطرہ کسی بات کا دل پر نہ لایا کہ آج گیا ہے اور کل گیا ہوا۔

حاصل کلام جو خوش نیت و شجاع تھے سو اُس کی سپہ گری و جرأت پر خوش ہوئے اور جو کم ظرف و تنگ چشم تھے وہ اس جمعیت پر پریشان۔

اور یہ شہرہ تمام شہر میں پھیلا کہ ایک سپاہی دس ہزار اشرفی اکیلا اس شہر سے اپنے ملک لئے جاتا ہے۔

یہ جرأت رکھتا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی دو ٹھگ اول ہی منزل سے اس کے ساتھ ہوئے اور وقت فرصت تکنے لگے کہ کہیں اس کو غافل پاویں تو کام تمام کریں اور اپنی مراد برلاویں دس بیس روز میں وہ اجل گرفتہ سکڑی گلی تک پہنچا اور وہاں بھی اُس نے اپنی سپہ گری کے

آگے کسی کا اندیشہ نہ کیا، اور خچر کو اس قتل گاہِ مسافروں میں گھسا ہی دیا کہ وہاں سیکڑوں غریب نقدِ جاں تک لٹا بیٹھتے تھے، اور مارے گئے تھے

یہ بھی آدھی دور تک گیا کہ اتنے میں اُن دونوں نے پیچھے سے آکر اس کے گلے میں پھانسی ڈال دی اور قصدِ ذبح کرنے کا کیا۔

اس وقت اس کُشتۂ غمِ تنہائی نے جھپاہی آنکھیں اوپر کیں تو دیکھا کہ دو کبوتر پالے ہوا ڈینے سے ڈینا ملائے اُڑائے جاتے ہیں۔

جوں ہی اُنھوں نے اُن کو دیکھا ووں ہی چشم پُر آب ہو کر کہا کہ "اے کبوترو! تم گواہ رہو میں اس سکڑی گلی میں ان کی گلو گیری سے نہایت تنگ ہوا ہوں بلکہ کوئی دم میں بے گناہ مرتا ہوں، خدا کے واسطے میرا خون برباد نہ دینا، اُڑتے اڑتے یہ خبر کہیں پہنچا رہنا"

یہ کہتا ہی تھا کہ اتنے میں طوطیٔ روح اُس کی قفسِ تن سے صحرائے عدم کو پرواز کر گئی اور وہ کب، اس ہوائی پر عمل کرتے تھے جو اُسے جیتا چھوڑتے۔

غرض، مار لیا اور اُس نقد کو غنیمت سمجھے، کسی ملک میں گئے اور تجارت کرنے لگے۔

آخر کار ایک چیز ان کے ہاتھ کہیں سے ایسی لگی کہ وہ جنس وہاں کے بادشاہ کے پاس نہ تھی، بلکہ وہ اُسی کی فکر میں آٹھوں پہر رہا کرتا تھا۔ اور یہ خبر خبر رسانوں نے حضور پُر نور تک پہنچائی کہ خداوندا آج کئی دن سے اس شہر جنت نظیر میں دو سوداگر آئے ہیں اور وہ چیز اپنے پاس رکھتے ہیں۔

یہ بات سُن کر بادشاہ خوش ہوا اور اُن کو طلب کر کے کہنے لگا کہ "میں نے یوں سُنا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو اسے میرے پاس لاؤ اور جو چاہو سو لو"

چنانچہ اُن دونوں نے وہ چیز اُسی گھڑی حضورِ اعلیٰ میں گذرانی، اور قیمت اُس کی من مانی لی اور بادشاہ نے اُن کو اپنا مصاحب بھی کیا اور کھانا کھانا اور پانی پینا ان ہی

کے ساتھ مقرر کیا۔

اتفاقاً ایک دن بادشاہ کہیں سے دو کبوتر شکار کر لائے تھے، اور اُس روز وہی یک کر حضور میں آئے تھے، بادشاہ تو اُن سے راضی تھے۔ وہ قاب اُنہیں کے حوالے کی اور کہا کہ "ان کبوتروں کو میں شکار کر لایا ہوں۔"

جوں ہی اُنھوں نے یہ نام سنا دونوں ہی ہر ایک ہراساں ہوا اور تھر تھرانے لگا، اور اُس خام خیالی کو دل میں جگہ دی کہ شاید اُنھوں نے یہ ماجرا بادشاہ سے کہا جو حضور اعلیٰ سے آج ہم کو ارشاد ہوا۔ اس نادانی پر عمل کیا اور ہر ایک زرد ہو گیا۔

پھر جو کچھ سمجھے تو اپنے اپنے دل میں کہنے لگے "لاحول ولا قوۃ! یہ بے زبان کب گویا ہوئے اور کب بادشاہ سے اُنھوں نے کہا۔

جب اس سخن کو دریافت کیا تب ہرے ہوئے اور اُن کو کھانے لگے۔

بادشاہ نے جو اُن کے یہ عالم دیکھے تو نہایت متفکر ہوا اور کہنے لگا کہ "اگر اس وقت تم اپنا اپنا احوال سچ سچ حضور اعلیٰ میں نہ کہو گے تو یقین ہی جانو کہ بے آئی ہی مارے پڑو گے اگر خیر چاہتے ہو تو راست کہو۔"

ایک تو وہ ڈرے اور دوسرے اُن کے پیالے بھرے جو گذری تھی سو مفصل کہنے لگے کہ خداوندا! کسی شہر سے ایک سپاہی دس ہزار اشرفی کما کے اپنے گھر جاتا تھا ہم دونوں نے اس کو سکڑی گلی میں ذبح کیا اور ان اشرفیوں کو غنیمت جانا۔ اُس وقت دو کبوتر اُڑے جاتے تھے۔ اُس نے اُسی حالت میں اُن کبوتروں سے کہا کہ اے کبوترو! تم گواہ رہو یہ مجھے مارتے ہیں، ہم نے اُس وقت اُس کی بات نہ سنی، اب وہی آگے آئی۔ خداوند نے ہم کو جو کبوتر عنایت کئے تو ہم نے یہ معلوم کیا کہ یہ بطور کنایہ کے ارشاد ہوا ہے اسی واسطے متغیر

احوال و پریشاں خاطر ہوئے۔

جب اُس مقتول کا مارا جانا انھیں قاتلوں کی زبان سے اثبات ہوا تب بادشاہ نے اُن کو بھی مروا ڈالا۔

مثل مشہور ہے ؎

خونِ ناحق نہیں ٹلتا ہے
اپنے قاتلوں کو بھی لے ہی چلتا ہے

۸۶

سُنا ہے کہ ایک دن محمد شاہ بادشاہ نے لاڈو کیہور سے کہا کہ "بس تمھیں کل صبح کو دو دو موتی نہایت بیش قیمت دوں گا۔"

یہ ارشاد بادشاہی سن کر وہ خوش ہوئے اور تسلیمات بعد ادب و قواعد بادشاہی کے بجالائے اور متوقع اس بات کے ہوئے کہ انشاء اللہ تعالیٰ فجر کو حضور اعلیٰ سے ایک جوڑی موتی کی ایسی ملے گی کہ جس کے باعث جنم جنم کی تکلیف دور ہو جاوے گی۔

یہ بات دل میں ٹھہرا کر صبح ہی کو حضور اعلیٰ میں آئے اور مجرا گاہ میں دست بستہ ہو کر موافق اپنے معمول کے کھڑے ہوئے اس امید پر کہ اب بادشاہ ہمارا مجرا لے گا اور موافق ارشاد کے عطا کرے گا۔

بادشاہ نے جوں ہی انھیں کنکھیوں سے دیکھا ووں ہی منہ پھیر لیا۔

غرض اسی طرح سے وہ اُن سے اپنا منہ پھرائے رہا کرتا تھا۔ اور یہ گھبراتے تھے اور اپنے جی میں کہتے تھے کہ "الٰہی! ہم اس انعام سے باز آئے۔ یہ سیدھے منہ سے بات ہی کرے۔"

اور وہ ہرگز اُن کی طرف آنکھ نہ ملاتا تھا۔ اس واسطے کہ موتی دینے پڑیں گے۔

حاصل کلام ایک دن بادشاہ اپنے جھروکے میں بیٹھا ہوا کوچے کی سیر کر رہا تھا اور لاڈو کیور سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے کہ اتنے میں ایک قطار اونٹوں کی اُس راہ سے نکل اور جمعہ مسجد کی طرف چلی۔ ہر ایک اونٹ بادشاہ کی طرف دیکھتا تھا اور ولولاتا چلا جاتا تھا۔ اور ایک برخلاف اُدھر سے منہ پھیرے ہوئے چلا۔

بادشاہ نے جو اس کو اُن کے برخلاف پایا تو لاڈو کیور سے پوچھا کہ "کیا سبب ہے؟"

انھوں نے عرض کی کہ خداوندا ہم کو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کسی کو موتی دینے کہا ہے جو اپنا منہ چھپائے چلا جاتا ہے۔"

بادشاہ نے یہ لطیفہ دریافت کیا اور جو ارشاد کیا تھا سو دلوا دیا۔

۸۷

سنا ہے کہ نواب خانِ خاناں کے محل میں کسی شخص نے پچھواڑے سے بنسی پھینکی اور دور کھڑا ہو رہا۔ پکڑ کر اُس کی ڈوری محل داریوں نے یہ خبر حضور میں پہنچائی کہ خداوندا! ایک کٹیا مچھلی کے مارنے کی مع ڈور انگنائی میں پڑی ہے۔ شاید کسی ماہی گیر نے باہر سے پھینکی ہے۔

یہ بات سنتے ہی خاں صاحب نے سو اشرفی کی تھیلی اُس کٹیا میں لگا دی اور اپنے نوکروں سے کہا کہ "تم اس شخص کو خبر کر دو کہ تمہاری شست میں مچھلی لگ چکی ہے۔ جلد کھینچو جب وہ اس تھیلی کو کھینچے اور اپنے تصرف میں لا دے تب تم اس کو میرے پاس لے آنا۔ میں کچھ اُسے اور بھی کہوں گا۔"

چنانچہ دو چار خدمت گار گئے اور اُس سے کہنے لگے کہ "حضرت سلامت! آپ غافل کیوں ہیں؟ شکار تو عمدہ لگا چکے ہیں، بنسی کھینچیے۔"

یہ بات سنتے ہی اُس نے ڈور کھینچی اور ایک تھیلی اُس میں لگی ہوئی دیکھی تو نہایت خوشی حاصل کی۔ جب وہ اس کو اپنے تصرف میں لایا تب اُن خدمت گاروں نے حضور میں

مع تھیلی اسے پہنچایا۔

خاں صاحب نے کہا کہ بھائی! تم مجھے ایک چھوٹا سا چشمہ سمجھے تھے اس واسطے تم نے ننھی سی کٹیا پھینکی اور میں نے بھی ذری سی مچھلی اُس میں لگا دی۔ اگر تم مجھے دریا جان کر بڑا سا کانٹا پھینکتے تو میں بھی ہزار ہی اشرفی کا رہو لگا دیتا۔ خیر اب تشریف لے جاؤ! اگر جی چاہے تو اسی طرح سے کبھی اس گھاٹ پر آکر بنسی لگائیے گا۔ دل کا دل بہلے گا اور شکار کا شکار ہاتھ لگے گا۔

۸۸

سُنا ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند سے آدھی رات کو اختلاط کر رہی تھی کہ اتنے میں اُس کے یار نے باہر سے آواز دی اور وہ اس آواز کے سنتے ہی بے قرار ہو کر خاوند سے کہنے لگی کہ "اجی! میرا جی اس وقت کوے چاہتا۔ کہاں سے پاؤں جو تسلیِ دل کروں؟"

اُس نے کہا کہ "جانی! یہ کون بڑی بات ہے۔ میں ابھی باغ بادشاہی میں جاتا ہوں اور دامن بھر کر اچھے سے اچھے کوے لاتا ہوں۔"

حاصل کلام وہ باہر گیا، اور وہ گھر میں آیا۔ اس کو تو اُس باغ میں چوکیداروں نے کسی کوئے سے باندھ رکھا اور وہ اُس کی کچنال کلی سے ایک کوئے میں تمام رات مشغول بہ کار رہا۔ اور صبح تک اُس کے گھر سے نہ نکلا

صبح کو چوکیدار اُس کو بادشاہ کے پاس لے گئے اور احوال اُس کی چوری کا ظاہر کرنے لگے۔

بادشاہ نے فرمایا کہ "اس کو قتل کر دو!"

یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوئی کہ ایک شخص آدھی رات کو بادشاہ کے باغ میں گیا تھا سو آج مارا جاتا ہے۔ یہ بات اڑتی اُڑتی اُس کی بی بی تک پہنچی۔

اُس نے جوں ہی یہ احوال سُنا ووں ہی اپنے یار سے کہا کہ "اے یارِ غمگسار او اے آرامِ دِلِ بے قرار! آج وہ مارا جاتا ہے۔ خدا کے فضل سے اب ہمیشہ کا کھٹکا مٹا۔ آئیے تمرا ہیں بیٹھیں اور چین کریں۔"

یہ کہہ کر اُس کمبخت نے بوتلیں منگوائیں اور ڈھلکانی شروع کیں۔ آخر مستی میں آ کر باہیں گلے میں ڈالیں اور سو رہے۔ اور اُس نے اپنے قاتلوں سے کہا کہ "یارو! آخر تو مجھے تم مارتے ہو اتنی مہربانی کرو کہ ایک دم میں اپنے گھر جاؤں اور ایک ساعت اپنی بی بی کو دیکھ لوں۔"

یہ بات سُن کر اُن کو بھی رحم آیا اور اُس کو اُس کے گھر بطور پہنچایا۔

جب وہ اپنے گھر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ بی بی ایک مسٹنڈے کے گلے میں باہیں ڈالے عالمِ نشے میں ٹانگیں پھیلائے پڑی ہے۔

یہ واردات دیکھتے ہی وہ گھبرایا اور اُن لوگوں سے کہنے لگا کہ "صاحبو! تم بھی دیکھو میں جس کے واسطے مارا جاتا ہوں اُس کا یہ احوال ہے۔"

غرض یہ خبر ان لوگوں نے بادشاہ کو پہنچائی، اور حقیقت ان تینوں کی بخوبی ظاہر کی۔

بادشاہ نے اُن دونوں کو مروا ڈالا اور اُس کو چھڑوا دیا۔

وہ جب تک جیا تب تک بے عورت ہی رہا۔

۸۹

سُنا ہے کہ ایک نفرے نے اپنی جورو سے کہا کہ "حرام زادی! تو مجھے نہایت تنگ کرتی ہے اور کچھ خبر اگاڑی پچھاڑی کی نہیں رکھتی ہے کہ کل آل عیال والی ہوں گی تو کیا کروں گی۔ بھلا آج نگوڑی ناٹھی ہوں۔ کچھ اس دانے گھاس میں بچا رکھوں سو نہیں اور میرا ہی سر کھائے جاتی ہے۔"

اُس نے کہا کہ "پھر کیا کروں، جانتے تو ہو کہ اجل کے گھوڑے پر سوار ہو رہی ہوں۔ کس امید پر تھوتھن باندھ کر بیٹھوں اور تم بھی پا بہ رکاب ہو رہے ہو۔ دہانہ کھولو اور مزے سے نہاری چکھو۔"

اُس نے کہا کہ "یہ کیوں کر معلوم کیا؟"

وہ بولی کہ "تمہاری کاٹھی سے دریافت ہوا کل گھر کے بچھڑے کو تو سنبھال ہی نہ سکے، آج سوداگر کے گھوڑے کیونکر باندھو گے؟"

یہ بات اُس کو نہایت بُری معلوم ہوئی کیونکہ اُس نکتے سے وہ خوگیر نہ تھا۔ تاب نہ لا سکا۔ اُٹھا اور اُس کو گھوڑے بازی کرنے لگا۔

تب تو وہ ڈری اور کہنے لگی کہ "قسم ہے مجھے اپنے غازی میاں کی کہ جب تک جیوں گی تب تک تمہاری رائے سے باہر نہ ہوں گی جیدھر لے چلو گے ادھر کان دبائے سیدھی چلوں گی، ہر گز راہ میں نہ اڑوں گی لیکن تم بھی آج سے اپنے منہ میں لگام دو کہ پھر کبھی گالی گلوچ نہ کرو۔ اگر پھر کبھی ایسی بُری بات کہو گے تو رستم چابک سوار سے کہہ کر خوب سی اوگھیاں لگواؤں گی۔"

یہ بات سنتے ہی وہ اُس پر چڑھ بیٹھا اور مارے ایڑوں کے کوکھیں پھلانے لگا اور اپنے غرّے کے آگے کسی کو خاطر میں نہ لایا۔

۹۰

سُنا ہے کہ ایک شخص دولت مند نوکر کبھی نہ رکھتا تھا اور جو کام ہوتا تھا سو آپ ہی کرتا تھا کسی شخص نے پوچھا کہ حضرت سلامت! آپ جو اس قدر تکلیف اُٹھاتے ہیں دو چار روپے مہینے کا ایک نوکر کیوں نہیں رکھتے ہیں؟"

اُس نے کہا کہ "میں اُسے نوکر رکھوں جو یہ دو تین شرطیں بجا لاوے۔"

اُس نے کہا کہ "ارشاد کیجیے ہم ادا کریں گے۔"

اُس نے کہا کہ "ایک تو یہ کہ وہ مجھ سے درماہہ نہ مانگے اور اپنا احوال نہ کہے اور دوسرے یہ کہ جو بات میں جہاں کہوں اُس کو وہاں بیچ کر دے، اور جب میں برطرف کروں تب بے حجت اپنے گھر کی راہ لے۔ جو یہ بات قبول کرے سو میرے پاس حاضر رہے۔"

اُس نے کہا کہ حضرت سلامت! میں قبول کرتا ہوں پر ایک امید آپ سے بھی رکھتا ہوں کہ ایک برس روز کے بعد ایک ڈھمک میں بھی جھاڑتا ہوں۔ خداوند اُس کی برداشت کریں تو رہوں۔"

اُس نے کہا کہ "اچھا میں نے قبول کیا۔"

غرض وہ ان کا نوکر ہوا

پہلے ہی روز وہ اُسے اپنے یاروں میں لے گئے اور کہنے لگے کہ "صاحبو! میں صبح کو جو شکار کھیلنے گیا تو ایک کبوتر کو ایسا تیر مارا کہ وہ اوپر ہی سے کباب ہو کر گر پڑا۔ میں اسی کو کھا کر تمہارے پاس آیا ہوں"۔

اُنھوں نے کہا کہ "لاحول ولا قوۃ۔ فجر ہی فجر اس قدر جھوٹ بولتے ہو۔ خدا سے ڈرو!"

اُس نے کہا کہ "اگر باور نہیں کرتے تو اس سے پوچھو"۔

اُنھوں نے اس سے کہا کہ "کیوں بھائی! یہ کیا کہتے ہیں؟"

اُس نے کہا کہ "بجا فرماتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا تیر فولادی تھا، اور اس کے پوٹے میں پتھری تھی۔ وہ تیر جو کمان سے چھوٹا تو اس کے پوٹے میں جا بیٹھا۔ اور اُس پتھری سے جو آگ نکلی تو وہ کبوتر اپنے ہی پروں سے بھڑک اٹھا، اور نیم کوفتہ سا ہو کر ایک نمک کی کان میں گر پڑا۔ نہایت مزیدار ہوا۔ کچھ تو خداوند نے تناول کیا کچھ مجھے دیا۔"

یہ بات سن کر وہ ہنسے اور کہنے لگے کہ "ایں گلِ دیگر شگفت۔ ایک نہ شد دو شد۔ دوسرے روز پھر وہ اپنے یاروں کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ "آج صبح کو جو میری آنکھ کھلی تو سیکڑوں کتوں کی آواز آسمان پر سے میرے کان میں آئی۔

وہ بولے کہ "استغفراللہ! یہ کیا واہیات بکتے ہو۔ کچھ اور کہو!"

اُس نے کہا کہ اس خدمت گار سے پوچھ دیکھو!"

اُنھوں نے پھر اُس سے پوچھا کہ "حضرت کی حویلی میں ایک کتیا نے دو چار پلے دیئے تھے اُس وقت وہی اُس کے پاس اپنی آنکھیں بند کیے پڑے تھے۔ اتفاقاً ایک چیل جو آئی تو وہ دو تین کو اُٹھا کر لے گئی۔ وہی بالائے ہوا چلاتے تھے۔ آپ سچ کہتے ہیں۔

اُنھوں نے کہا کہ "آپ کے کہنے سے یقین ہوا"

تیسرے دن وہ پھر اپنے دوستوں میں گیا اور کہنے لگا کہ آج ایک تیر جو میں نے اپنی کمان سے ملا کر چھوڑا تو وہ ایک ہرن کی کھری کو توڑ، ماتھے کو پھوڑ، دُم کی راہ سے نکل گیا۔

انھوں نے کہا کہ "نعوذ باللہ! یہ اُن سے بھی گرم"

اُس نے کہا کہ "اس سے تحقیق کرو!"

اُنھوں نے پھر اُس سے کہا۔

اس نے جواب دیا کہ "یہ میرے سامنے کی بات ہے۔ ایک ہرن اپنی کھری سے ماتھا کھجلا رہا تھا۔ انھوں نے جو تیر مارا تو صاف کھری اور ماتھا پھوڑ دُم کی راہ سے گذر گیا۔ اس میں کیا قباحت ہے۔ آپ دریافت کرلیں۔

غرض اسی طرح سے وہ اسے اپنے ساتھ لے جاتا اور جھوٹ سچ گواہی دلوا کر اپنی بات کو سرسبز کرتا۔ کہ اتنے میں اُس کے بھی ڈونگ کا موسم آ پہنچا، اور وہ بھی اسی فکر میں سرگرم ہوا کہ کیا بات بتاؤں۔ جو اپنے میاں صاحب کو رِجھاؤں۔

حاصل کلام ایک دن اُنھوں نے اُسے دو سو روپے دے کر کہا کہ "بھائی! تو جلد میرے گھر جا اور یہ روپے بی بی کو دے کر خبر لے"

غرض وہ گیا اور راہ ہی میں سے ایک پگڑی اُنھیں کے ڈھب کی باندھی۔ اور اس پر تھوڑا سا شہاب چھڑک کر روتا پیٹتا انھیں کے گھر گیا اور بی بی سے کہنے لگا کہ "خدا سے کچھ چارہ نہیں۔ یہ روپے لو اور اپنے میاں کی جان کو صبر کر کے بیٹھ رہو۔

یہ خبر وحشت اثر سنتے ہی وہ گھبرائی اور اپنا سر پیٹ کر کہنے لگی کہ "ہے ہے! یہ کیا ہوا؟"

اُس نے کہا کہ "وہ یہیں آتے تھے راہ میں آیا۔ شیر انھیں منہ اُٹھا لے گیا۔ یہ پگڑی رہ گئی تمھارے

پاس نشانی لایا ہوں۔

اُس نے اُس پگڑی کو ایک تکیے میں گاڑ، گھربار لٹا، اُس قبر پہ مع اپنے بچے، فقیر ہوکر مجاوری اختیار کی۔

اور وہ وہاں سے رخصت ہوکر پھر اپنے خاوند کے پاس اُسی طرح سے آہ وزاری کرتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ "خداوندا جناب الٰہی سے کچھ بس نہیں۔ گرمی کے موسم میں آپ کے گھر میں آگ لگی۔ بی بی صاحب تو نہایت حرمت والی تھیں اسی آگ میں بچوں سمیت جل بجھیں۔"

یہ سخن سُن کر وہ بھی اپنا منہ موڑ، گھوڑا، پال پرتل لٹا کر فقیر ہوا۔ اور شہر ولی شہروں پھرنے لگا۔

آخر کار ایک دن بعد مدت کے اُس تکیے پر آیا اور اپنی بی بی کو اور لڑکوں کو پہچان کر اپنے دل میں کہنے لگا کہ "یہ تو میری ہی بی بی ہے اور یہ لڑکے بھی۔"

اسی اندیشہ میں تھا کہ اتنے میں ادھر سے اُس عورت نے پہچانا۔

غرض اُدھر سے وہ اور ادھر سے یہ دوڑے اور گلے لگ کر رونے لگے۔

بعد اُس آہ وزاری کے اُن دونوں نے اُس سے پوچھا کہ "بھائی! تو نے یہ کیا کیا ہمارا رسا بسا گھر بات کی بات میں برباد کر دیا۔"

اُس نے کہا کہ "پیر و مرشد! میں نے تو پہلے ہی عرض کی تھی کہ میں برس ہی روز ایک ڈھنگ جھاڑتا ہوں۔ سو جھاڑ چکا۔ اب جیتا رہوں گا تو اگلے برس پھر کچھ تماشا دکھلاؤں گا مثل مشہور ہے سو سنار کی تو ایک لوہار کی۔"

۹۱

سُنا ہے کہ ایک سوداگر نہایت مالدار تھا اور ہر طرح کی چیز اپنے گھر میں رکھتا تھا چنانچہ کسی فقیر کی بخشی ہوئی معجزے کی ایک جوڑی کھڑاؤں کی اور لاٹھی اور ایک دو چار ہاتھ کی رسی بھی اُس کے صندوق میں ملی تھی.

قضا عنداللہ وہ سوداگر مرگیا اور مال واسباب اُس کا اُس کے دونوں لڑکوں کے ہاتھ لگا۔ دو چار مہینے تو وہ ساتھ رہے پھر کسی سبب سے جدا ہونے لگے۔

حاصل کلام ہر ایک چیز اُنھوں نے برابر بانٹ لی مگر فقیر کی دی ہوئی پہ لڑائی پڑی۔

وہ کہتا تھا کہ میں بڑا ہوں. کھڑاؤں اور لاٹھی میں لوں اور رسّی تو لے۔

وہ کہتا تھا کہ میں چھوٹا ہوں. کھڑاؤں اور لاٹھی میں لوں اور رسی تم لو۔

اسی بات پر ان دونوں میں بگڑی۔ آخر کار ارادہ اس ڈھب کا کیا کہ ان تینوں چیزوں کو صحرا میں لے چلیے اور درمیان میں دھر دیجیے۔ آپس میں دو دو ہاتھ کریجیے۔ جو مار پڑے وہ جہنم میں جائے۔ جو بچے ان کو قبضے میں لائے۔ مثل ہے جو جیتے سو کھیلے پھاگ۔

غرض وہ دونوں جنگل میں گئے اور آپس میں لڑنے لگے۔ کبھی تو وہ اُس کے ہتکڑی

مارتا ٹوٹا۔ کبھی وہ اُس کی گرٹک جھانکتا تھا۔ کبھی وہ اپنا سر اُس کی تلوار سے بچالیتا تھا کبھی وہ اس کی برچھی کی ہول سے اپنی کوکھ بچا رکھتا تھا۔ اسی طرح وہ شمشیر برہنہ پینترے بدلتے تھے اور چوٹیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک مسافر کہیں سے ہارا ماندا چلا آتا تھا۔ اُن دونوں کو لڑتا دیکھ کر کھڑا ہو رہا اور تماشا دیکھنے لگا۔ بعد ایک دم کے اُس نے اُن سے پوچھا کہ "اے جوان مردو! تم کس لئے آپس میں لڑتے ہو؟"

اُنھوں نے کہا کہ "ہم دونوں سگے بھائی ہیں، اپنے باپ کی میراث پر لڑتے ہیں"

اُس نے کہا کہ "وہ کیا اسباب ہے کہ جس کے واسطے تم اپنی نقد جان دیتے ہو؟"

اُنھوں نے کہا کہ "اور تو ہم برابر بے چکے ہیں مگر ان تینوں چیزوں پر جھگڑتے ہیں کیونکہ یہ ایک فقیر کی عنایت ہیں۔"

اُس نے کہا کہ "اِن میں ایسا کیا وصف ہے؟"

وہ بولے کہ اس کھڑاؤں میں تو یہ وصف ہے کہ جس کو جتنی دور جانا ہو وہ اس پر پاؤں رکھے اپنے تئیں دم بھر میں وہیں دیکھ لے اور اس لاٹھی میں یہ کمال ہے کہ کیسا ہی بڑا آدمی یا جوان ہو گھڑی بھر میں اُس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دے اور اس رسی میں یہ کرامات ہے کہ جسے چاہو اُسے بندھوا ڈالو۔"

یہ باتیں جو اُس نے اُن کی زبانی سنیں تو نہایت خورسندی حاصل کی اور اپنے دل میں یہ مشورت ٹھیرائی کہ اس نعمت کو اِن بے وقوفوں سے لیا جائیے۔"

غرض اُس نے کہا کہ "حضرت سلامت! اگر تم تفاوت سے کھڑے رہو تو میں ابھی برابر حصہ کر دوں۔"

اُنھوں نے کہا کہ "اس سے بہتر کیا ہے۔ آئیے اور بسم اللہ کیجیے۔"

جب وہ اُس سے سرکے تب اُس نے وہ جوڑی کھڑاؤں کی پہنی اور لاٹھی ہاتھ میں لی اور رسی کمر سے لپیٹ اپنے گھر کی راہ لی۔ مثل مشہور ہے۔ جب خدا دیتا ہے تو یوں دیتا ہے۔

۹۲

سُنا ہے کہ ایک افیونی کہیں سے افیون کھائے ہوئے اپنے گھر کی طرف جاتے تھے راہ میں ایک چھکڑے والے نے کہا کہ "میاں صاحب! ذرا بچ جانا نہیں تو دھکا لگے گا۔"

یہ بات سُنتے ہی وہ قدرے ہٹ کر ایک دروازے سے لگ رہے۔

چھکڑا تو اُسی وقت نکل گیا پر پینک نے تمام رات اُن کو وہیں رکھا۔

صبح کو جو اُس گھر والے نے اپنے کواڑ کھولے تو اُن کو دھکا لگا اور وہ دق ہو کر کہنے لگے کہ "بہت تیرے زمانے کی! اس پاجی کے کہنے سے میں کتنا دبا اور اُس نے گاڑی کے پہیئے سے میرے دبانے کا ارادہ کیا ہی کیا۔

۹۳

سُنا ہے کہ ایک افیونی اپنے کوٹھے کی منڈیر پر بیٹھے ہوئے پیشاب کر رہے تھے کہ اتنے میں دو چار چور اس کوچے سے گذرے۔

وہ اپنا پیشاب بند کر کے چپ ہو رہے

اُنھوں نے کہا کہ تم کیوں پیشاب بند کر کے بیٹھ رہے ہو؟ اے صاحب! اپنا کام کرو!

وہ بولے کہ "کیا خوب! مجھے ایسا نادان سمجھے ہو۔ میں پیشاب کروں۔ تم دھار پکڑ کر چڑھ آؤ اور میرا گھر بار لوٹ کر لے جاؤ!"

۹۴

سُنا ہے کہ ایک عورت مکّارہ چینیں کے گنجوں سے اپنا بٹوہ بھرے ہوئے اپنے گھر سے نکلی اور شاہ جہاں آباد کے چاندنی چوک میں پھرنے لگی۔

بعد ایک گھڑی کے کسی پنساری کی دوکان پر جابیٹھی اور اُسے کھڑکھڑانے لگی۔ کبھی تو اُس کو اپنے زانو پر رکھ لیتی تھی اور کبھی اُس کی گدی کے پاس دھر دیتی تھی۔

اُس نے اس خام خیالی سے معلوم کیا کہ یہ کسی کھوپڑے محل سے آئی ہے۔ شاید گجراتی الائچی چکنی سپاری، لونگ، دھنیا، بُن، چھوہارا، کشمش، بادام لے اور اُس کے قیافے سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا۔

اس گمان فاسد کو اُس نے دل میں جگہ دے کر اُس عورت مکارہ کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور وہ بھی فرمائش کر اٹھی کہ "بھائی اعلیٰ اعلیٰ چیزیں قسم اول سے ہوں مناسب اتنی اتنی دے۔ اور ایک آدمی معتبر میرے ساتھ کر کہ میں اُن کی قیمت بیگم صاحب سے لے کے بے قصور و بلا اُس کے حوالے کر دوں۔"

یہ بات سُن کر وہ خوش ہوا اور اُن چیزوں کی پُڑیاں باندھنے لگا۔ کچھ پُڑیاں باندھیں۔

اور کچھ چھوٹی چھوٹی کوری ہنڈیوں میں رکھیں اور اُن سبھوں کو بڑے سے ٹوکرے میں دھر کر اپنے مزدور سے کہا کہ تو بی بی صاحب کے ساتھ جا اور دو سے بچپن روپے ملتے ہے آ!"

چنانچہ وہ بڑھیا اُس کو مع جنس لے کر چلی اور دو چار کوچوں میں پھر پھرا، اپنے ٹڈے کو چھپا ایک دیوار سے لگ کر کھڑی ہو رہی، اور کہنے لگی کہ "بیٹا میں تو تھک گئی۔ اور بٹوا وہیں بھول آئی۔ تو اس ٹوکرے کو تو یہاں رکھ دے اور دوڑ کر اُس دوکان سے بٹوا لے آ۔ میں جلد تُجھے انعام دوں گی۔"

یہ بات سُن کر وہ کم بخت خوش ہوا۔ اور اُس ٹوکرے کو وہاں رکھ کے اُڑ لا گا۔ اور وہ اُس کو اُٹھا کسی کوچے میں جا رہی اور تلاش سواری کرنے لگی کہ اتنے میں ایک ساربان اپنے اونٹ کی نکیل پکڑے اُدھر سے گذرا، اور اُس مکارہ نے اُسے دم میں رکھ لیا اور کہا کہ "بیٹا! دو روپے دوں گی تو اس ٹوکرے کو اپنے سر پر رکھ، مجھے اونٹ پر چڑھا کر میرے گھر پہنچا دے!"

اُس نے یہ سخن قبول کیا اور اُس کو اوپر بٹھا کر لے چلا۔

تھوڑی دور جا کر کہنے لگی کہ بیٹا! تیرے پاس کوئی روپیہ ہے تو مجھے دے! میں گھر چل کر تینوں حوالے کروں گی۔ یہاں سے صاحبزادوں کے واسطے کچھ کھلونے لگے ہاتھوں لے لوں پھر خدا جانے کب نکلوں۔"

اُس نے کہا کہ "جی، ہے!"

غرض وہ روپیہ اُس سے لے کر پھر اسی کو دے کر کہا کہ "پیارے! تو ہی دوڑ کر، بُرے بھلے جیسے ملیں، لے آ۔ مجھے یہ طاقت کہاں کہ بساطیوں سے مول تول کروں۔"

آخر کار وہ اونٹ اُس کے حوالے کر کے آپ کھلونے لینے گیا۔

اور اُس نے وہ ٹوکرا اپنے سر پر رکھا اونٹ کی نکیل پکڑ کر اپنے گھر کا رستہ پکڑا، اور

اونٹ بیچ کر چاول اور گھی لائی۔ گو موسم سالہ تو گھر میں تھا ہی روز پلاؤ پکا پکا کر چکھنے لگی۔

بعد دو چار مہینے کے پھر اسی ڈھب سے وہ اپنے گھر سے نکلی کہ اتنے میں اُس اونٹ والے سے ملاقات ہوئی اور اُس نے اُس کا آنچل پکڑ کر اپنے اونٹ کی دہائی مچائی۔

بڑھیا کہنے لگی کہ واری گئی میں تجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے مر گئی۔ اور ہر ایک جگہ تلاش کرتی رہی۔ اپنا اونٹ لے اور میری کھلائی مجھے دے! شرع میں شرم نہیں۔ مثل مشہور ہے، حساب جو جو بخشش سو سو۔ اور یہ بھی تجھ پر احسان ہے کہ میں نے اُس کو کچھ اپنا نہیں کھلایا۔ اُسی کو بھاڑے پہ بھیجا کرتی تھی اور اونٹ کو دانہ کھلایا کرتی تھی۔ شاید کچھ حساب کرنے سے تیرا ہی نکلے"۔

غرض اس دم دلاسے سے اُس اونٹ والے کو اپنے ساتھ لگا لے چلی اور دو چار گلیاں جھکا جھلکا کر ایک حکیم کی ڈیوڑھی پر اُسے کھڑا کر کے آپ گھر میں گھس گئی۔ اور حکیم صاحب سے کہنے لگی کہ حضرت سلامت! بی بسنتی خانم نے آپ کو بندگی کہی ہے اور یہ عرض کی ہے کہ بہار کے موسم میں مجھ کو کچھ جنون سا ہو جاتا ہے۔ سو اب کی دفعہ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں خاں صاحب سے رخصت ہو کر آپ کے محل میں آؤں اور فصل بھر یہیں رہوں"۔

حکیم صاحب اپنے جی میں سمجھے کہ ایک سونے کی چڑیا مفت ہاتھ لگتی ہے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ "ماما صاحب! تم میری طرف سے سلام کہو اور یہ کہیو کہ یہ غریب خانہ آپ ہی کا ہے۔ جب چاہیے تب تشریف لائیے"۔

اُس نے کہا کہ حکیم صاحب! میں تو کہوں گی پر خانم صاحب اعتبار نہ کریں گی۔ اگر کچھ معجون کی قسم سے عنایت ہو کہ اُن کو اس نشان سے تسکین ہو"۔

حکیم صاحب نے ایک چاندی کی ڈبیا میں تھوڑا خمیرہ صندل رکھ کر اُس کو دیا اور کہا کہ "صبح کے وقت تولہ بھر خمیرہ کھا کر دو آسے عرق کیوڑہ پی جایا کریں۔ اور جب یہاں آویں گی

تب تدبیر بخوبی کی جاوے گی۔"

بعد اس انٹی کرنے کے اُس عورت نے کہا کہ "صدقے گئی۔ بیٹا میرا دیوانہ ہو گیا ہے اور آج کئی دن سے اونٹ ہی اونٹ پکارتا ہے اور آپ ہی آپ بڑبڑاتا ہے۔ میں جب تک جیتی رہوں گی تب تک آپ کی لونڈی گری سے باہر نہ ہوں گی۔"

حکیم صاحب نے اپنے دل میں کہا کہ "اس کا بھی راضی رکھنا موجب اپنے فائدے ہی کا ہے۔" یہ سمجھ کر کہنے لگے کہ "بڑی بی! دیکھو تمھارے لڑکے کو اچھا کرتا ہوں۔ بلالو کہاں ہے؟"

اُس نے اوپر سے پکارا کہ "بھائی! اپنا اونٹ لے جا، جلد آ!"

یہ بات سنتے ہی وہ دوڑا اور اوپر آکر کہنے لگا کہ "لا کہاں ہے؟ میں نہیں جانتا میرا اونٹ دے!"

تب تو حکیم صاحب کو اور بھی یقین ہوا کہ فی الواقع یہ عورت نہایت راست گو ہے اور یہ لڑکا دیوانہ!

یہ دریافت کرکے اپنے نوکروں کو بلوا کر اُس کو پکڑوا کر چاروں رگیں کھلوادیں۔ اُس وقت اُس نے حکیم صاحب سے کہا کہ "حضرت! میں ایک چوپالا مع کہار لے آؤں؟"

حکیم صاحب نے کہا کہ "اچھا!"

حاصلِ کلام اُس جوان کو پھر کسیت رکھا اور آپ پتا ہو گئی۔

۹۵

سُنا ہے کہ ایک عورت مکارہ نے دو چار کہار مع ڈولی ایک کھنڈر کی ڈیوڑھی میں بلوا کر کہا کہ "بھائی! تم جو یہاں سے بیگم صاحبہ کو مینا بازار لے جاؤ تو کہاری کیا لو؟"

اُنھوں نے کہا کہ "ماما جی! آنے جانے کا ایک روپیہ۔"

اور یہ اپنا گھر اپنا دکھانے کے واسطے کہنے لگی "نہ بھائی! بارہ آنے۔"

غرض وہ راضی ہوئے

اُس نے کہا کہ "اپنا منہ پھیر لو۔ بیگم صاحب سوار ہوں تو بسم اللہ کرو اور سواری لے چلو!"

اُنھوں نے اپنا منہ پھیر لیا، اور اُس مکارہ نے بیگم صاحب کی عوض ایک چکی کا پاٹ اُس میں رکھ دیا اور پردہ خوب سا کس کر کہا کہ "میرا چلو!"

انھوں نے ڈولی اُٹھائی اور وہ ایک صراحی پانی کی لے کر ساتھ ہو لی۔

آخر کار وہ بڑھیا بازار میں آ کر ایک جوہری کی دوکان پر بیٹھ گئی، اور وہ ڈولی وہیں دکھوا دی اور اُس جوہری سے کہنے لگی کہ "لالہ! دو چار لڑیاں موتی کی اچھی دکھلاؤ۔ اگر بیگم صاحب

پسند کریں گی تو وہ چار سو کی بکری ہو جاوے گی۔"

اس سخن سے وہ خوش ہوا اور اپنی صندوقچی کو کھول کر موتی کی لڑیاں دکھلانے لگا

اُس نے دو چار لڑیاں لے کر اُس ڈولی میں منہ ڈالا اور اُن لڑیوں کو اُس صراحی پر رکھ کر لڑکے کی طرح رونا شروع کیا۔ بعد ایک دم کے وہ ڈولی سے اُس صراحی کا پانی پھینک کر مع صراحی نکلی اور کہاروں سے کہنے لگی۔ "بیٹا! تم یہاں بیگم صاحب کی بچے سمیت نگہبانی کرو۔ میں دوڑ کر گھر سے بھجا ہوا پانی لے آؤں۔"

اور اُس جوہری سے کہا کہ "لالہ صاحب! تم بھی خبردار رہیو کیونکہ زمانہ نازک ہے کسی کو ڈولی کے پاس نہ پھٹکنے دینا۔

یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہوئی اور اُن لڑیوں کو غنیمت سمجھی۔

جب شام ہونے لگی تب تو وہ جوہری گھبرایا اور پردے کے پاس آکر غل کرنے لگا کہ "بیگم صاحب! میرے موتی مجھے دو اور تم اپنے گھر تشریف لے جاؤ اسر پر سنجھا آن پہنچی۔ یہ کیسی خریداری ہے؟"

بیگم ہو تو بولے۔ لڑکا ہو تو روئے ڈولی کیا بولے اور جیکی کیا روئے؟

آخر کار اس نے ایک اور عورت سے اُس ڈولی کو کھلوا کر جو دیکھا تو ایک پاٹ چکی کا اچھا خاصا نظر پڑا تب تو وہ اپنا سر پیٹ کر کہاروں سے کہنے لگا کہ "بڑے چودھری! تم مجھے اس بڑھیا کے گھر لے چلو! دیکھو تو میں اس کا کیا احوال کرتا ہوں۔"

اُنھوں نے کہا کہ "مہاراج! چلو نہ ہم کو کیا۔ ہم نے اپنی محنت کے ٹکے نہیں پائے۔"

یہ کہہ کر وہ اُس کو اُس کھنڈر میں لے گئے جہاں دن کو ایدڑ بولتے تھے اور کہنے لگے کہ "لالہ صاحب وہ محل سرا یہی ہے جہاں سے بیگم صاحب کو وہ مال زادی لے گئی تھی۔ ہم اپنی مزدوری کو جھیکتے ہیں۔ تم لڑیوں کو۔ رام کرے سہ ہوا۔"

۹۶

سنا ہے کہ ایک مجلس میں دو چار مغل بچے چودہ پندرہ برس کے بیٹھے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ اتنے میں چرچا دلیری کا آپڑا۔

ایک اُن میں سے بول ہی اُٹھا کہ "آج کا جوان! ہم اُسے جوان مرد جانیں جو اس وقت اُس مرگھٹ پر جاوے۔ اور وہاں جو سات مردے پڑے ہیں اُن ساتوں کے ہاتھوں میں یہ نیلا تاگا باندھ آوے"!

یہ بات سنتے ہی ایک کو تاب نہ آئی۔ اُس نے کہا کہ "ہم جاتے ہیں اور باندھ آتے ہیں"۔

غرض وہ اُن سے جدا ہوا اور اُس مرگھٹ کی طرف چلا۔

جس نے شرط کی تھی وہ بھی تھوڑی دور تک پیچھے گیا۔ پھر ایک کوچے میں جو گذرا تو اُس کے آگے ہو کر اُن مردوں میں سے ایک مردے کو دریا میں ڈال کر آپ اُس کی جگہ لیٹ رہا۔

اور یہ جو آیا تو سرے سے ہر ایک کے ہاتھ میں ڈورا نجوری باندھنے لگا۔ اسی صورت سے دو تین کی نوبت پہنچی۔

حاصل کلام چوتھے کے ہاتھ میں وہ باندھتا تھا کہ اتنے میں اُس کے ڈرانے کے واسطے

اُس مغل بچے نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر اُس کے زانو پر رکھ دیا اور ایک آواز ہیبت ناک سے کہا کہ "پہلے میرے ہاتھ میں باندھ!"

اس اضطرابی کو دیکھتے اُس نے ایک طپانچہ مارا اور کہا کہ "گیدی! چپ جب تیری باری آوے گی تب باندھوں گا۔ جلدی کیوں کرتا ہے؟"

وہ تھپڑ کھا کر پھر مُردہ ہو رہا۔

آخر کار اُس نے ہر ایک کے ہاتھ میں تاگا باندھا اور اپنی مجلس کا راستہ پکڑا۔

اور وہ بھی اپنا گال ایک رومال سے باندھے ہوئے ایسے نزدیک کے رستے سے اپنے یاروں میں آ بیٹھا۔ اتنے میں وہ بھی نیچہ بغل میں دابے ہوئے آیا اور اُس کو سلام کر کے کہنے لگا کہ حضرت سلامت! قسم ہے آپ کے سر کی میں اُن ساتوں کے ہاتھ میں تاگا باندھ آیا اگر باور نہیں تو بسم اللہ کیجیے اور چل کر دیکھ آئیے۔"

اُس نے کہا کہ "ہاں! سپاہی زادے ہو، باندھ ہی آئے ہو گے۔"

یہ کلمہ جو اُس نے سعت ماشنا تو کہا کہ "آغا جان! آہستہ کیوں بولے؟"

اُس نے کہا کہ "میرے گلے میں درد ہے۔"

اُس نے کہا کہ "سبب؟"

وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ "ایک کافر نے تاگا باندھتے میں طپانچہ مارا۔"

غرض یہ راز اُس کا اُس پر کھلا ہاتھ ان مردوں میں سے میرے ڈرانے کو اسی نے اُٹھایا تھا۔ یہ سمجھ کر منہ لٹے اُسے جواب دیا کہ مثل مشہور ہے جو کسی پر ہاتھ اُٹھائے گا تو منہ میں کھائے گا۔"

۹۷

سُنا ہے کہ دو چار گبرہوٹے کسی محفل میں دو پہر رات گیے گئے اور صاحبِ محفل سے سرگرمِ سخن ہوئے، اسی بات چیت میں تھے کہ کسی نے گھمنڈ کی راہ سے کسی کو یہ کہا کہ "ہم جب جانیں کہ تم بڑے جواں مرد ہو جو اس وقت نکھی باغ میں جاؤ اور فلانے پیڑ کے نیچے ایک مردہ پڑا ہے جس کو کل ٹھگوں نے مارا ہے، اُس کے پاؤں کے پاس یہ میخ گاڑ آؤ۔"

اُس نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور گاڑ آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس محفل سے اُٹھا اور اُس باغ کا رستہ پکڑا۔

حق تو یہ ہے کہ اُس وقت جانا اُسی کا کام تھا کیونکہ رات اندھیاری، بجلی چمکتی، بوندیں پڑتی، ہوا سناٹے کی چل رہی تھی۔ غرض ہزار خرابی بجلی کی چمک سے اُس نے اپنے تئیں اُس مردے تک پہنچایا اور اُس کے پاؤں کے تلے وہ میخ گاڑنے لگا۔

قضا کار وہ میخ اُس گھبراہٹ میں اُس کے دامن پر گڑی۔ جوں ہی اُس نے اُٹھنے کا قصد کیا، ووں ہی دامن اٹکا۔ اُس نے معلوم کیا کہ شاید یہ دامن اس مردے نے پکڑا اور جہیں تو یہاں کون آیا۔

اس خیال خام کو اپنے دل میں جگہ دے کر تھرایا اور مر گیا۔ بعد دو چار گھڑی کے بلیغہ کھل گیا۔ ہوا ہوا ہو گئی۔ چاند نکلا چاندنی پھیلی۔ اُس وقت اُن لوگوں نے گھبرا کر آپس میں کہا کہ "وہ باغ یہاں سے اتنا تو فاصلہ نہیں رکھتا جو اُس نے اتنی دیر کی چلیئے دریافت کیجیے"

غرض اُنھوں نے اپنے تئیں وہاں پہنچایا اور دیکھا کہ وہ بھی اُسی مُوے کے برابر مُوا پڑا ہے۔

یہ حالت دیکھ کر وہ گھبرائے اور سوچ کرنے لگے کہ اتنے میں دامن پہ اس کے میخ گڑی دیکھی۔ تب تو اُن کو یقین ہوا کہ یہ اسی صدمے سے مارا پڑا۔

۹۷

سُنا ہے کہ ایک سُنار کا لڑکا سچ مچ کا سونا سو گند تھا، اور سو کندن سا اُس کا رنگ تھا جب وہ بڑا ہوا تب اُس کے باپ نے ایک سُنار کی لڑکی سے اُس کا بیاہ کر دیا سچ تو یہ ہے کہ وہ لڑکی بھی اپنے حُسن میں بے نظیر تھی۔ یا قرصِ آفتاب یا سونے کی کٹوری وہ ماہِ منیر تھی۔ اُن دونوں کے جو بھاگ ملے تو وہ آپس میں ایک ہی ہو گئے۔ اور بخوبی رہنے لگے۔ بلکہ اُس لڑکے نے نکلنا بھی گھر سے چھوڑ دیا۔ چنانچہ دو چار دن جو وہ گھر سے نہ نکلا تو اُس کے یاروں کا دل کڑھنے لگا۔

آخر ایک دن دس بیس جمع ہو کر اس کے گھر آئے اور یاری سے پکارنے لگے۔ وہ اُن کی آواز سُن کر نکلا اور نہ ملنے کی عذر خواہی کرنے لگا۔

انھوں نے کہا کہ "آج فلانے باغ میں ہم نے مجلسِ عیش تیار کی ہے۔ پر وہ عیش گاہ بے تیرے ماتم سرا ہے۔ اگر تو چلے اور اپنے قدم سے اُس محفل کو روشن کرے تو کچھ عجب نہیں۔ اُس نے جو اُن کی اس منت سماجت سے گفتگو سُنی تو کہا کہ اے صاحبو! یہ کیا فرماتے ہو۔ میں بہ چشم حاضر ہوں۔"

غرض وہ اُسے باغ میں لے گئے۔ اور بہ ہر طور اس کا دل بہلانے لگے چنانچہ تین شبانہ روز اُسے اُس باغ میں رکھا اور ایک شخص نے اُس کے گھر آکر کہہ دیا کہ "آج رات کو پہر رات گئے ایک بھیڑیا اُسے اُٹھا کر لے گیا۔"

یہ بات سُن کر ہر ایک چھوٹا بڑا رونے لگا۔

حاصل کلام اُس کی جورو بھی اُس واردات سے روشناس ہوئی اور گھونگھٹ میں رو رو کر اپنی ساس سے کہنے لگی کہ "مائی! میں اب اس گھر وحشت اثر میں نہ رہوں گی مجھے کچھ اُن کی چیز دو کہ جس کو لے کر ستی ہوں۔"

ہر چند لوگوں نے سمجھایا کہ "ابھی تیرا سن کیا ہے جو تو اپنے تئیں جلاتی ہے۔"

اُس نے کہا کہ "کچھ ہو، اب مجھ کو موت ہی خوش آتی ہے۔"

غرض اُس کی پگڑی لے کر کسی گھاٹ پر وہ بھی جل بجھی۔

اور چوتھے دن وہ اپنے گھر آیا تو ہر ایک اُس کو بغل کھول کھول لپٹ گیا۔

اُس نے جو اُن کو اِس بے قراری سے گلے لگتا دیکھا تو پوچھا کہ "یہ آج خلاف عادت اس قدر پیار کیوں کر کرتے ہو۔"

اُنھوں نے کہا کہ "بیٹا! ہم تو تیری سُنائی سُن کر رو بیٹھے تھے۔ رام کے پرتاپ سے بھلا چنگا پایا۔"

جب اُس نے اپنی جورو کو اس کثرت میں نہ دیکھا تب اپنی ماں سے کہا کہ "مائی! وہ کہاں ہے؟"

اُس نے کہا کہ "وہ اپنے میکے گئی ہے۔ دو چار دن میں آوے گی۔"

اس کو اِس مفارقت کی طاقت کہاں تھی، بے قرار ہوا اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا

عشق بھی تو ایک چیز ہے۔ اُس کو لے ہی اُڑا۔

لوگوں نے معلوم کیا کہ اب اگر اسے باہر جانے دیں گے تو اپنے ہاتھ سے کھو دیں گے اس بات کو اپنے جی میں ٹھیرا کر اس کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ اور اگر کسی نے اُس کی حقیقت پوچھی تو دیوانگی ظاہر کی۔

اور اُس گھاٹ پر کہ جہاں وہ اُس کے عشق میں جلی تھی وہاں ہمیشہ شام کے وقت ایک شعلہ نکلتا تھا اور کہاں کہاں کر کے غائب ہو جاتا تھا۔

آخر کار اُس نے بھی یہ بات سُنی کہ جو رو بیری میرے مرنے کی خبر سُن کر جل مری۔ اور جس مکان پر جلی ہے وہاں ایک شعلہ ہر روز نکلتا ہے۔

یہ سخن دریافت کر کے ایک دن اُس نے اپنی ماں سے کہا کہ "اماں! میں کچھ دیوانہ نہیں جو میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر مجھے اذیت دیتی ہو۔ اگر ان کو نکلوا دو تو میں اپنی دوکان پر جاؤں اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوں۔"

یہ بات جو اُس نے سنی تو اسی گھڑی اُس کے پاؤں سے بیڑی نکلوا لی۔

وہ تمام دن اپنی دوکان پر رہا جب شام ہوئی تب یاروں کے ساتھ اُس گھاٹ پر گیا اور کھڑا ہو رہا کہ اتنے میں ایک شعلہ نکلا۔ اور کہاں کہاں کر کے اُس کو لے گیا۔

۹۸

ایک فقیر نے کسی امیر سے پوچھا کہ "حضرت سلامت! آپ کو ساز بجانا آتا ہے؟"
اُس نے کہا کہ "نہیں!"
یہ بات سُن کر وہ خوش ہوا اور کہنے لگا کہ "مجھ کو بھی نہیں۔ اسی کمال سے دعویٰ برابری کا رکھتا ہوں۔ کچھ عنایت کیجیے کہ اپنے تکیے کو جاؤں۔"
اس سخن سے وہ امیر خوش ہوا۔ ہزار اشرفی کا توڑا دِلوا کر اُس کو رخصت کیا۔

۹۹

سُنا ہے کہ ایک کوا کسی درخت کی ڈالی پر بیٹھا ہوا اپنے بچے کو کچھ اڑان گھائیاں سکھلا کر یہ کہتا تھا کہ "بیٹا! جب تمھارے پاس کوئی آدمی آوے اور وہ جھک کر ڈھیلا زمین سے اٹھاوے اور تاک کر تم کو مارے تب تم اوکھیاں بچا کر اُڑجانا۔"

اُس نے کہا کہ بابا جان! اگر وہ اپنے گھر ہی سے مٹھی میں چھپائے ہوئے چلا آوے اور مجھے مار بیٹھے تو اُس وقت مجھ سے کچھ نہ ہو سکے گا۔

اس نے کہا کہ "پھر اس کی تدبیر کیا کرے گا؟"

وہ بولا کہ "اتنا انتظار میں کیوں کروں جب کسی کو آتے دیکھوں گا تب ہی اُڑجاؤں گا۔"

اس بات کو سن کر وہ خوش ہوا اور کہنے لگا کہ "بیٹا! مرحبا! اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔"

۱۰۰

سنا ہے ایک شخص نے ایک شخص کو مار ڈالا اور آپ پکڑا گیا جب حاکم نے اُس پہ خون ثابت کیا تب اُس کو بھی توپ سے اُڑوا دیا۔ مثل مشہور ہے جو جیسا کرے سو تیسا پاوے۔

۱۰۱

سُنا ہے کہ ایک شخص عابد نماز پڑھتا تھا۔ اور ایک شُہدے نے اُسے دھول ماری۔ جب اُس نے نماز سے فراغت پائی تب ایک اشرفی اُس رند کے حوالے کی۔ اسی لالچ پر اُس نے ایک اور سپاہی کے جھگڑ جڑی۔ اُس نے اُس کی گردن کاٹ ڈالی مثل مشہور ہے غریب کی داد خدا دے!

۱۰۲

سُنا ہے کہ دو شخص اپنے شہر سے تباہ ہو کر کسی ملک میں گئے۔ جو پڑھا تھا وہ لڑکے پڑھانے لگا اور جو ہنر جانتا تھا سو اپنا پیشہ کرنے لگا۔

اتفاقاً وہ دونوں بیمار پڑے۔ جو پڑھا سو اُسی حالت میں بھی پڑھاتا تھا اور پیسہ پیدا کرتا تھا اور جو ہنر مند تھا مارے مفلسی کے مرتا تھا۔ کیونکہ وہ تو لیٹے لیٹے بھی پڑھاتا تھا اور اُس کا کام بے ہاتھ پاؤں ہلائے ہو نہ سکتا تھا۔

پس لازم ہے کہ پڑھنا سیکھے کہ یہ سب سے بہتر ہے!

۱۰۳

سُنا ہے کہ اپنے شہر سے دو کاریگر اور کسی ملک میں جا کر بادشاہ کے نوکر ہوئے اور اپنا اپنا ہنر دکھلانے لگے۔

ایک نے تو کاغذ کی مچھلی بنا کر پانی میں تیرائی اور ایک نے فولاد کی مکھی بے ہوا آنکھ پر اُڑائی۔ بادشاہ اُن کے کسب سے خوش ہوا اور ہزار ہزار اشرفی دے کر رخصت کیا۔

۱۰۴

سُنا ہے کہ شیخ باب اللہ نے بھائی خاں سے پوچھا کہ حضرت سلامت! آپ جو اس کُتّے کو پیار کرتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

اُس نے کہا کہ "نہیں سُنا تم نے؟ "سگِ حضور بہ از برادرِ دور!"

۱۰۵

سُنا ہے کہ ایک شخص جب اپنے بیٹے کو رخصت کرتے لگا تب گلے لگا کر یوں کہنے لگا کہ بیٹا جاتے تو ہو پر یہ نصیحت یاد رہے۔ خبرداری بڑی چیز ہے۔

چنانچہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور تھوڑی دور جا کر نوکروں سے پوچھنے لگا کہ "سچ کہو میرا گھوڑا کہاں ہے؟"

اُنھوں نے عرض کی کہ "خداوندا آپ کی ران تلے ہے۔"

یہ سُن کر ہنسا اور کہنے لگا کہ "میں جانتا ہوں پر خبرداری کے واسطے پوچھتا ہوں۔"

۱۰۶

سُنا ہے کہ سلطان خان کے دو لڑکے تھے۔ ایک فقیر اللہ اور ایک امیر اللہ۔
جب وہ مراتب اُن دونوں نے موافق حصے کے زرِ بے شمار پایا۔ فقیر اللہ نے تو
تھوڑے ہی دنوں میں اپنا حصہ عیش و عشرت میں کھو دیا اور امیر اللہ نے تجارت کر کے چوگنا کیا
پس لازم ہے کہ جو شخص زر پاوے سو بے جا نہ اُڑاوے!

۱۰۷

سُنا ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے کہا کہ "تو آگے محتاج تھا۔ ایسا کیا کام کیا جو اس مرتبے کو پہنچا؟"

اُس نے کہا کہ "جو کوئی خاوند کی خیر خواہی کرے سو اتنا ہی بڑا آدمی ہوگا۔"

۱۰۸

سُنا ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے نوکر سے پوچھا کہ "سب سے بہتر میرے حق میں کیا ہے؟"

اُس نے عرض کی کہ "عدل کرنا اور رعیت کا پالنا"

۱۰۹

سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے پوچھا کہ "تو تو آگے غریب تھا۔ اتنی دولت کہاں سے پائی؟"

اُس نے کہا کہ "نیت میری بخیر تھی۔ اللہ نے دی۔"

١١٠

سُنا ہے کہ دو سپاہی کسی کوچے میں لڑائی کرتے تھے۔
یہ خبر سنتے ہی ایک جولاہا اپنے کرگھے کو چھوڑ کر اس کوچے میں آیا اور تماشا دیکھنے لگا۔
قضا کا ایک کی تلوار جو دوسرے کے سر سے اچکی تو اُسی کی گردن پر پڑی۔
مثل مشہور ہے۔ کرگھا چھوڑ تماشے جائے۔ ناحق چوٹ جولاہا کھائے۔

۱۱۱

سُنا ہے ایک بادشاہ کسی جنگل میں شکار کھیلنے گیا اور لشکر سے چھوٹ کر بھوکا ہوا۔
جب اُس نے کھانے کی چیز کہیں کچھ نہ پائی تب بنا پتی کو کھا کر پیٹ بھرا
اور ندی کھوے کا پانی پی کر پیاس بجھائی۔
اتنے میں لشکر آ پہنچا اور لقا دلوں نے خاصہ چن ہی دیا۔
یہ حالت دیکھ کر اُس نے وقت کھینچی اور یہ مثل پڑھی۔ بھوک گئی بھوجن ملے
اور جاڑے جات کیا سے۔ جو بن گئے تریا ملے تینوں دیو بہائے۔

۱۱۲

سُنا ہے کہ دو چار شخص عقل مند ایک عورت بے وقوف کو اپنے ساتھ لے کر کسی شہر چلے اور ایک دریا میں مع اسباب غرق ہوئے۔

بعد ایک ساعت کے وہ سب خالی ہاتھ نکلے اور اپنے مال کو کنارے بیٹھ کر رونے لگے پھر جو کچھ اُن کے جی میں آیا تو اُس دریا میں کود ے اور اپنا اپنا اسباب نکال لائے

جب ایک مرد نے اُس عورت سے کہا کہ "بی بی! تو بھی اپنی چیزیں نکال تب اُس نے کہا کہ "تم نے نہیں سُنا؛

جن ڈھونڈا تن پائیاں گہرے پانی پیٹھ
میں باوری ڈوبن ڈری رہی کنارے بیٹھ

۱۱۳

سُنا ہے کہ ایک فقیر نواب خان خاناں کی ڈیوڑھی پر گیا اور گالیاں دینے لگا۔
نواب صاحب ہرگز نہ ہوئے چیں بہ جبیں، بلکہ ہزار اشرفیاں دلوا دیں۔
ایک مصاحب نے پوچھا کہ "حضرت سلامت! یہ کیا؟"
جواب دیا کہ "نیکی نیک راہ اور بدی بد راہ!"

۱۱۴

سُنا ہے کہ ایک شخص اپنے شہر سے نکل کر کسی ملک میں کچھ روزگار کرنے چلا۔
اتفاقاً راہ میں کسی کوئیں پر بیٹھ گیا اور دسترخوان سے روٹیاں نکال کر قصد کھانے کا کر کے بہ آوازِ بلند خود بخود کہنے لگا کہ "ایک کھاؤں یا تینوں کھاؤں؟"
چنانچہ اُس کوئیں میں تین پریاں رہتی تھیں۔ اُنھوں نے معلوم کیا کہ یہ ہمیں دھمکاتا ہے اس وحشت سے نکلیں اور سو سو روپے دے کر اسے چلی گئیں۔
وہ تین سو روپے لے کر اپنے گھر پھر آیا۔

۱۱۵

سُنا ہے کہ دو چار چور شب کو کسی سپاہی کے دروازے پر گئے اور اُس کی چول اُکھیڑنے لگے۔

اتفاقاً وہ سپاہی اُن کی آہٹ سے چونکا اور کھانسنے لگا تب وہ ہنسے اور کہنے لگے کہ "کب تک کروگے نہ ست۔ بیداری۔ چور گئے۔ نہ بیاری"

۱۱۶

سُنا ہے کہ ایک مرد بے وقوف نے شب کو جو اپنی جورو پر مہربانی کی تو صبح کو چھ اشرفی کی مچھلی بنوا کر اُس کے کان میں ڈلوا دی۔ اور اُس نیک بخت نے دو چار گھڑی اس کو پہن کر اپنی تھیلی میں رکھ دیا۔

تب ایک عورت ہمسایہ نے اُس سے پوچھا کہ بی بی! یہ کیا؟

اُس نے کہا کہ "یہ مثل تم نے نہیں سُنی ــــ میری جان پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔"

۱۱۷

سنا ہے کہ ایک شخص عمدہ کے گھر میں آگ لگی اور اسباب جلنے لگا۔
نوکروں نے عرض کی کہ خداوندا! اب ہم کیا کیا کریں اور کس کس چیز کو نکالیں؟"
یہ بات سن کر گھبرائے اور بہ آواز بلند کہنے لگے کہ بھائی! اس مثل پر کان لگاؤ
"آگ لگتے جھونپڑا جو نکلے سو لاؤ۔"

۱۱۸

سُنا ہے کہ ایک درویش کے پاس دو چار فقیر گئے اور کہنے لگے کہ پیر و مرشد! فلانا بادشاہ مُوا اور اُٹھا ہوا۔

یہ خبر سُنتے ہی درویش ہنسا اور کہنے لگا کہ "بابا دید دنیا کی دم بہ دم کیجیے۔ کس کی شادی اور کس کا غم کیجیے۔"

۱۱۹

سُنا ہے کہ ایک شخص کے گھر جاڑے کے موسم میں آگ لگی۔ اور ایک غریب پڑوسی اُس آگ سے اپنا بدن گرم کرنے لگا۔
یہ حالت اور ایک ٹھٹھے باز نے دیکھی اور یہ مثل بہ آوازِ بلند پڑھی کہ "کیا خوب کسی کا گھر جلے اور کوئی تاپے"

۱۲۰

سُنا ہے کہ ایک شخص نے دو تین شخصوں کی مہمانی کی۔ شب کو دس بیس آئے اور سب کھانا کھا کر چلے گئے اور اس غریب نے اپنے بچوں سمیت فاقہ کیا۔
صبح کو اُس کے لڑکے نے عرض کی کہ بابا یہ مثل آگے آئی۔

تین بُلائے تیرہ آئے، دیکھو یہاں کی ریت
باہر والے کھا گئے، گھر کے گاویں گیت

۱۲۱

سُنا ہے کہ ایک شخص اپنی جورو کو ہمیشہ مارا کرتا تھا اور روٹی کپڑے کو ہمیشہ ترسایا کرتا تھا — اور وہ اس حالت میں بھی اپنے بناؤ سے باز نہ آتی تھی بلکہ کنگھی چوٹی ہی میں رہا کرتی تھی۔

ایک دن اُس کی لونڈی نے سنگاردانی کے لانے میں جو کچھ دیر کی تو اُس نے اُسے خوب سی پاپوش کاری کی۔

تب تو وہ جلی اور بے دھڑک کہنے لگی کہ "یہ وہی مثل ہوئی — پیا نہ پوچھے بات ری! اور دھن سہاگن ناؤں"

۱۲۲

سُنا ہے کہ ایک مزدورنی نے اپنے خاوند سے پوچھا کہ "میاں! تم تو تمام دن محنت مزدوری میں رہتے ہو اور شب کو ایسی نعمت کہاں سے پاتے ہو کہ پاؤں پھیلا کر بخوبی سو رہتے ہو"۔

اُس نے کہا کہ "بی بی! انسان جو کرتا ہے سو پیٹ کے واسطے کرتا ہے۔ میں رات کو دال روٹی سے پیٹ بھرتا ہوں اور آرام سے سو رہتا ہوں"۔ مثل مشہور ہے کھایا بھئے انند۔ اپنی ایسی تیسی میں گئے پرمانند!

۱۲۳

سُنا ہے کہ ایک عورت بے وقوف اپنے پھوہڑپنے سے گر گر پڑتی تھی اور نزاکت پر بہانا دھرتی تھی۔

ایک شخص نے پہچانا کہ یہ آپ سے گری ہے اور نزاکت کو بدنام کرتی ہے تب وہ اس کی کارستانی کو دیکھ کر ہنسا اور یہ مثل پڑھنے لگا۔ ”سچ ہے ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا!

۱۲۴

سُنا ہے کہ احمد سلطان اپنی فوج کو درماہا بھی دیتا اور دونوں وقت پلاؤ بھی کھلایا کرتا۔ اور محمود نہ اپنے لشکر کو مہینہ دیتا اور نہ کھانا ہی کھلاتا

اتفاقاً ایک دن اُن دونوں سے کسی میدان میں مع لشکر لڑائی آ پڑی۔ احمد نے محمود کو شکست دی۔

لوگوں نے پوچھا کہ "یہ کیا؟"

کسی نے کہا کہ "مشہور ہے جس کی دیغ اُس کی تیغ"

۱۲۵

سُنا ہے کہ ایک سپاہی نے کسی طالب العلم کو بیگار پکڑا اور گھٹڑ کپڑوں کا اُس کے سر پر دھر ہی دیا۔

جب دو چار دھکے مار کر سپاہی اُس کو لے چلا تب ایک ٹھٹھے باز نے اس سے پوچھا کہ "میاں طالب العلم! تم کو مزدوری سے کیا؟"

اُس نے کہا کہ "تم نے یہ مثل نہیں سُنی۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر۔"

۱۲۶

سنا ہے کہ ایک راجہ نے کسی برہمن سے پوچھا کہ "مجھے بھوجن کون کرواتا ہے اور تجھے کون؟"

اُس نے کہا کہ "سب کو پرمیشر"

یہ بچن سُن کر اُس نے پھر اُس سے پوچھا کہ "اگر سب پر گمسیان ہی کرپا کرتا ہے تو مجھ کو اس کثرت سے اور تجھ کو اس قلت سے کیوں؟"

اُس نے کہا کہ ٹھاکر نے یہ دوہرہ نہیں سُنا:

رام جھروکے بیٹھ کر سب کا مجرا لے
جیسی جا کی چاکری ویسا وا کو دے

سُنا ہے کہ ایک شخص نے کسی شہر میں جا کر کچھ پیسہ پیدا کیا اور قدرے عزت بھی پائی

کسی نے کہا کہ "اب تم شادی کر لو تاکہ مجرد نہ رہو"

اُس نے کہا کہ "میں نے اکثر لوگوں سے یہ سُنا کہ 'مار کھانا اور مسجد میں سو رہنا'"

مثل مشہور ہے کس کی بلا شادی کرے اور بکھیڑے میں پڑے۔

۱۴۸

سُنا ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی بادشاہ سے لڑائی کی اور اپنی فوج کو یہ خبر دی کہ جو کوئی اُس کے سپاہی کا سر لاوے گا تو وہ فی سر ہزار روپے پاوے گا۔

اس حکم کے سنتے ہی ہزاروں گئے اور ہزاروں ہی سر کاٹ لائے

اتفاقاً ایک سپاہی جو گیا تو وہ کسی کشتے کا پاؤں کاٹ لایا۔

بادشاہ نے کہا کہ "اس کو کس نے مارا؟"

اس نے کہا کہ "آپ کے اقبال سے میں نے مارا ہے۔"

بادشاہ نے کہا کہ "تو اس کا سر کیوں نہ لایا؟"

اُس نے کہا کہ "جہاں پناہ! جب میں نے اس کو مارا تھا سر کوئی پہلے ہی کاٹ لے گیا تھا۔"

یہ بات سن کر بادشاہ ہنسا اور پانچ سو روپے کا توڑا اسے بھی دلوا دیا۔

۱۲۹

سُنا ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کو کہلا بھیجا کہ مجھ کو فلانی جگہ جانا ہے۔ اگر آپ اپنا گھوڑا بھجوا دیں تو ہم وہاں جاویں اور مقصد حاصل کریں"۔

اُس نے گھوڑا تو بھیجا پر ایک رقعہ بھی۔

چنانچہ اُس میں یہ لکھا کہ "اے خداوند! اس گھوڑے کو گھوڑا نہ سمجھے گا۔ گھر کی گھوڑی کا بچھڑا ہے اور میں نے اس کو فرزندوں کی طرح پالا ہے۔ امید یہ ہے کہ جتنا آپ اس پر چڑھیں اتنا ہی اس کو اوپر چڑھاویں۔ اگر یہ عرض منظور کریں تو آپ اس پر چڑھیں اور نہیں تو قسم ہے جو قصد سوار ہونے کا کریں"۔

۱۳۰

سُنا ہے کہ ایک عورت نہایت مالدار تھی اور دو لڑکیاں رکھتی تھی۔

جب وہ موئی تب بڑی لڑکی اس کے مال کی مالک ہوئی چھوٹی نے چاہا کہ میں اپنا حِصّہ لوں اور جدا ہو کر رہوں۔

بڑی نے سو دو سو عورتوں کو جمع کر کے یہ بات کہی کہ "بیبیو! اس صورت پر یہ حصہ مانگتی ہے"

یہ سخن سُن کر چھوٹی جلی اور کہنے لگی کہ "چل! شیخی مت کر۔ مثل مشہور ہے ایک توے کی روٹی کیا موٹی یا چھوٹی"

۱۳۱

سُنا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی سے کہا کہ "بابا! اگر کہو تو فلانے شہزادے کے ساتھ تمھاری شادی کر دیں؟"

اُس نے کہا کہ "بعد شادی کے کیا ہوگا؟"

اُس نے کہا کہ "عیش و عشرت کرو گی۔ اور بال بچے جنو گی"

اُس نے کہا کہ "جب لڑکے کوڑی پر کوڑی ہوں گے تب کیا ہوگا؟"

اُس نے کہا کہ "اُن کو بیاہ ڈالو گی سجن سمدھیانے کی کھلاؤ گی"

اُس نے کہا کہ "پھر اُس کے بعد کیا ہوگا؟"

تب تو وہ دق ہوا اور کہنے لگا کہ "آخر آنکھیں بند کر کے مر جاؤ گی تم پر کیا موقوف ہے بلکہ کوئی نہ رہے گا۔"

یہ سخن سنتے ہی وہ روئی اور یہ پڑھنے لگی "جانا ہے رہنا نہیں۔ جانا بسوے بیس۔ ایسے سہج سوہاگ پر کون گندھاوے سیس۔"

۱۳۲

سُنا ہے کہ ایک شخص ایک شخص سے عشق رکھتا تھا اور بہت چاہتا تھا۔ دو چار روز جو اُس نے اُسے نہ دیکھا تو یہاں تک بے قرار ہوا کہ اُس کے گھر گیا۔ اور وہ جہاں سرگرم سخن تھا وہاں یہ بہ طورِ تصویر کے چپ ہو کر بیٹھ رہا اس اُمید پر کہ جب وہ فرصت پائے گا تب مجھ سے بھی بات چیت کرے گا۔ پر وہ کب اسے خاطر میں لاتا تھا کہ متوجہ ہوتا اور خُلقِ محمدی ادا کرتا۔

حاصلِ کلام وہ اُس سے نہ بولا اور وہ چشمِ حسرت اشکبار سے آب پاشی کرتا ہوا اپنے گھر گیا۔ عشق بھی تو جذبہ رکھتا ہے۔ اُس کو بھی اثر کر ہی گیا۔ تب تو وہ مضطرب ہوا اور کہنے لگا۔ "وہ میرے گھر آوے اور ناامید نہ پھر جاوے۔ اب میں اُس کے مکان پر جاؤں گا اور خوب سی عذر خواہی کروں گا۔"

اہلِ محفل بولے کہ "یہ وہی مثل ہے گھر آئے نہ پوجیے بامن پوجن جائیں۔ گھر کے لڈو چھوڑ کر بن کے گولر کھائیں۔"

۱۳۳

سُنا ہے کہ ایک شخص کا لڑکا مارے بھوک کے برسرِ راہ بلبلاتا تھا کہ اتنے میں کسی راہ گیر کو اُس کے رونے پر رحم آیا۔ اُس نے ایک لڈو مول لے کر اُس سے کہا کہ "بابا! اگر تو مارے گرسنگی کے روتا ہے تو اسے کھا اور چپ رہ"

جو ہیں وہ لڈو اس لڑکے نے کھایا وو ہیں قے کرنے لگا۔

تب لوگوں نے اُسے پکڑا اور کہا کہ "تو ٹھگ ہے۔ لڑکے کو مٹھائی کھلا کر مارا چاہتا ہے اس گہنے کے لالچ سے"

یہ بات سنتے ہی اُس نے کہا کہ "جی! یہ وہی مثل ہوئی۔ نیکی برباد گناہ لازم"

۱۳۴

سُنا ہے کہ ایک شخص نے کسی عورتِ غیر سے آشنائی کی اور یہ خبر اُس کی جورو نے سُنی۔ اُس نے ایک مردِ بیگانے سے دوستی پیدا کی۔

اس بات سے وہ بھی واقف ہوا اور نہایت پیچ و تاب کھا کر اپنی بی بی سے کہنے لگا کہ "میں نے سُنا ہے کہ تو نے کسی مرد سے آشنائی کی ہے"۔

اُس نے کہا کہ "میں نے سُنا ہے کہ تم نے کسی عورت سے ربطِ دوستی بہم پہنچایا ہے"۔

یہ بات سُن کر اُس نے کہا کہ "پھر تجھ کو کیا؟"

اُس نے کہا کہ "تم نے اس مثل کو نہیں سنا؟ تم نے کبھی رام جپنی تو میں نے کیتا رام جپنا"

١٣٥

سنا ہے کہ ایک عورت مکّار نے کسی سپاہی سے کہا کہ "میاں! تمھاری جورو کسی مردِ بیگانے سے کھڑی باتیں کرتی تھی۔

اور یہ سخن ایک اور بھی شخص سنتا تھا۔ آخرکار اس بات کے سننے سے اُس کو تاب آئی

غرض وہ اُس کے گھر جاکر اُس متّہم کو گالیاں دینے لگا

وہ جو اپنے گھر سے نکلا تو اُن دونوں میں "تلوار چلنے لگی۔

پھر تو سو دو سو اُس کے آگئے اور سو دو سو اِس کے۔ دس بیس اِدھر کے گرے، تیس چالیس اُدھر کے قتل ہوئے۔ ایک حشر سا برپا ہوا۔

اور وہ مکّارہ ایک گوشے میں کھڑی تماشا دیکھتی تھی۔

یہ حالت دریافت کر کے اُس شخص واقف کار نے کہا کہ "واہ واہ! یہ وہی مثل ہوئی۔

"بھس میں چنگی ڈال جمالو الگ کھڑی"۔

۱۳۶

سنا ہے کہ ایک دو شخصوں کو کسی بادشاہ نے اپنا مصاحب کیا۔ جو دانش مند تھا سو تو یہاں تک جھکا کہ سر اُس کا زمین سے لگ گیا۔ اور جو کم ظرف تھا سو اپنا قدم عرش پر رکھنے لگا۔

آخر کار بادشاہ نے ایک دن اُس سے دقت کھینچی اور مروا ڈالا

مثل مشہور ہے:

پھول پھولے گلاب کا ہر کہن ہر دے سمائے
اُگا پھولا سنجنا ڈال پات سے جائے

۱۳۷

سُنا ہے کہ دس بیس شخص آپس میں متفق ہوئے اور باغ میں جا کر عیش و عشرت کرنے لگے۔ بعد دو چار گھڑی کے ایک اُن میں سے رخصت ہونے لگا۔ وہ ہر چند مانع ہوئے کہ تنہا مت جاؤ، کوئی دم میں ہم تم ساتھ چلیں گے

یہ بات اُس نے کسی کی نہ سُنی اور پہر بھر کی رخصت لے کر اپنے گھر کی راہ لی۔ اور ڈیڑھ پہر کے بعد وہ جو آیا تو اُس نے وہاں کسی کو نہ پایا۔ جہاں جامِ مل چلتے تھے۔ وہاں پیالے ٹوٹے پڑے تھے اور شیشے خالی۔

یہ حالت دیکھ کر اس کی چھاتی بھر آئی اور آنسو ٹپکنے لگے، عالمِ یاس میں آ کر وہ یہ شعر پڑھ اُٹھا ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں

۱۳۸

سُنا ہے کہ ایک دن دو چار گنواروں نے کسی جھیل کے کنارے پیپل کے پتے پر ایک مینڈک کو بیٹھے دیکھا۔

ہر چند خیال دوڑایا پر کسی کے ذہن میں نہ آیا کہ یہ کیا ہے۔ آخر پوچھنے لگے کہ "مہاراج ہم پر ایک ایسی کٹھن پڑی ہے کہ جس کی کچھ کہی نہیں جاتی۔"

انھوں نے کہا کہ "وہ کٹھن کون سی ہے۔ کہو؟"

انھوں نے کہا کہ "جو ہمارے خیال ہی میں نہیں آتی اُسے بیان کیا کریں۔ آپ چلیں اور دریافت کر کے دیکھیں۔"

غرض وہ اُن کے ساتھ گئے اور اس مینڈک کو پیپل کے پتے پر دیکھ کر آئے اور جی میں کہنے لگے کہ "میں تو اسے پہچانتا ہی نہیں کیا سمجھاؤں۔"

اسی سوچ میں تھے کہ اتنے میں گھنٹا گلے میں ڈالے ایک بڑا اونٹ کا اس رستے سے گزرا۔ وہ گنوار اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔ یہ اُن سے سوا اُس کی طرف پکار پکار کے کہتے تھے کہ "دوہائی مہاراج کی یہ کیا ہے۔"

اور وہ اپنے دل میں کہتے تھے کہ "یہ تو مجھی سے پوچھتے ہیں، کس سے دریافت کروں؟"

اتنے میں وہ بوما تو چلا گیا اور مینڈک وہیں رہا۔

تب تو لال بجھکڑ کہنے لگے کہ "ارے دیوانو! کہ اگر میں نہ ہوں تو تم مر ہی جاؤ۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ کیا تھا اور یہ کیا ہے۔ سنو! وہ وہ تھا جو ادھر سے گیا اور یہ یہ ہے جو یہاں بیٹھا ہے۔"

انھوں نے کہا کہ "وہ" اس کے گلے میں کیا تھا؟"

اُنھوں نے کہا کہ "ولیسوں کے گلے میں ویسا ہی ہوتا ہے اور جس کا وہ بھی ویسا ہی تھا اور یہ تو عیاں ہے اس کا پوچھنا کیا۔ دمڑی کی کنگنی اس کے آگے ڈال دو اگر کھالے تو مُنیاں۔ نہیں تو اونٹ کا پوٹا یہ بھی ہے۔"

۱۳۹

سُنا ہے کہ ایک شب لال بجھکڑ کے گاؤں میں پانی برسا اور رستہ سارا دلدل ہوگیا۔ اتفاقاً ایک ہاتھی نے ایدھر سے گذر کیا اور جنگل کو چلا گیا اور نشان اُس کے پاؤں کے جگہ جگہ رہ گئے۔

صبح کو اُس کے گاؤں کے لوگ جو اپنے اپنے گھروں سے نکلے تو اُس نقش کو دیکھ متعجب ہوئے آخرکار دو چار نہ رہ سکے، لال بجھکڑ سے جا کر کہنے لگے کہ "مہاراج! آج ہمارے کوچے میں ایک عجب تماشا ہے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اگر آپ چل کر دیکھیں گے تو معلوم کریں گے۔"

غرض وہ اُن کے ساتھ ہو کر اُس گلی میں آئے اور اُس نقش کو بخوبی جھک جھک کر دیکھنے لگے۔ جب کچھ خیال نہ گذرا تو کمیتِ عقل کو یوں دوڑایا۔ بے لگام تو تھے ہی، نتھو تھن پھیلا کر کہنے لگے کہ "ارے بچھڑو! اگر ہم نہ ہوتے تو تم ایسی دوڑ دھوپ میں مر ہی جاتے۔ سچ ہے

بوجھیں لال بجھکڑ اور نہ بوجھے کوئے

پاؤں چاکی باندھ کہ مت ہرنا کود ا ہوئے

۱۴۰

سنا ہے کہ قاضی صاحب کے بیل نے کسی تیلی کے بیل کو مار ڈالا۔ اور یہ واقعہ برخلاف لوگوں نے قاضی صاحب تک یوں پہنچایا کہ "حضرت سلامت! آپ کے بیل کا تیلی کے بیل نے پیٹ پھاڑ ڈالا"

یہ احوال سنتے ہی وہ نہایت متفکر ہوئے اور کہنے لگے کہ "ارے کوئی ہے۔ میری لال کتاب لاوے۔ میں اپنا نقصان کروں گا پر خلاف شرع نہ چلوں گا۔ دیکھوں تو اس میں کیا نکلتا ہے"

غرض لال کتاب آئی اور وہ اسے دیکھنے لگے۔ بعد تامل بیار کے کہنے لگے کہ "لال کتاب میں نکلا یوں۔ تیلی بیل لڑایا کیوں۔ کھائی تھی کھلی ہوا تھا سانڈھ۔ بیل کا بیل اور ڈانڈ کا ڈانڈ"

جب مرضی قاضی صاحب کی لوگوں نے یوں دیکھی تب تو یہ عرض کی کہ "خداوند! آپ کے بیل نے اس غریب کے بیل کو مار ڈالا"

یہ سخن سنتے ہی مسکرائے اور کہنے لگے کہ "بھائی حیوان ہی تو ہیں۔ اس کو کوئی کیا کرے"

یہ بات سن کر ایک شخص بولا کہ "یہ وہی مثل ہوئی۔ تیرا سو میرا اور میرا سو ہیں ہیں"

۱۴۱

سُنا ہے کہ ایک دن سو دو سو گنواروں کو اپنے ساتھ لے کر لال بجھکڑ کسی گاؤں کو چلے۔

اور لوگ راہ میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کولھو کسی کھیت میں پڑا ہے۔ وہ اُس کے دیکھنے سے ڈرے اور لال بجھکڑ سے پوچھنے لگے کہ "مہاراج یہ کیا ہے؟"

دُور سے دیکھ کر تو یہ بھی خوش ہوئے تھے۔ جب پاس آئے تب گھبرا کر رونے لگے۔

اُنھوں نے کہا کہ "مہاراج! یہ کیا؟ اگر آپ نہیں بتا سکتے تو روتے کیوں ہیں؟"

اُنھوں نے کہا کہ "ہم اس کے نام نہ بتلانے پر نہیں روتے۔ کچھ نہ کچھ کبھی دیں گے۔ ہم تو تمھاری اس خام عقلی پر روتے ہیں کہ کب تک بتلاویں اور کہاں تک سمجھاویں۔ کل کو جو ہم نہ ہوں گے تو تم کیا کرو گے؟"

یہ کہہ کر کہنے لگے:

بُوجھیں لال بجھکڑ اور نہ بوجھے کیانی
ہرانی ہو گر پڑی یہ اللہ میاں کی سرمے دانی

۱۴۲

سنا ہے کہ ایک دن لال بجھکڑ ایک خلقِ کثیر کو اپنے ساتھ لئے ہوئے، جنگل کے قریب اپنے باغ کی منڈیر بنواتے تھے کہ اتنے میں سو دو سو ہاتھی قطار باندھے ہوئے اُن سے آدھ کوس کے فرق پر کسی طرف سے نکلے اور کسی سمت کو چلے۔

وہ سب کے سب اُنھیں دیکھ کر منڈیر باندھنا تو بھول گئے کچھ ہیبت زدہ سے ہو کر لال بجھکڑ سے پوچھنے لگے کہ "مہاراج ایسے روزِ روشن میں یہ کالی بلا کیا ہے؟"

جوہیں اُنھوں نے اُس قطار کو دیکھا۔ گیانی تو تھے ہی ذہن چل ہی لگا۔ ہنسنے اور کہنے لگے کہ "ارے مورکھو! اگر ہم نہ ہوں تو خدا جانے کہ تم کیا کرو۔ اتنا نہیں دریافت کر سکتے۔ آدمی کیا خاک بنے ہو"

یہ کہہ کر کہنے لگے کہ:

بوجھیں لال بجھکڑ اور نہ بوجھے کوئے
رات اکٹھی ہو چلی یا پربت جاتا ہوئے

۱۴۳

سُنا ہے کہ ایک دن لال بجھکڑ بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر کسی باغ میں سیر کرنے گئے اور میوے اقسام اقسام کے توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ اسی طرح سے کبھی اس درخت کے نیچے آتے تھے اور کبھی اُس پیڑ کے تلے جاتے۔

اتفاقاً ایک آم کے درخت کے نیچے گئے اور اس کو کیریوں سے لدا ہوا دیکھ کر ڈھیلے مارنے لگے کہ اتنے میں سامنے سے اُن لوگوں نے غل مچایا اور پکار پکار کر کہا کہ "مہاراج! اگر آپ ادھر آویں گے تو ایک عجیب کیفیت اُٹھا دیں گے ہمیں تو ایک ایسی چیز نظر آتی ہے کہ جس کے دیکھنے سے جان ہی چلی جاتی ہے

یہ بات سنتے ہی وہ آئے اور اُس درخت کی پھنگی کو سر اُٹھا اُٹھا کر دیکھنے لگے۔ دیکھیں تو ایک بھڑ کا چھاتا (چھتہ) بہت بڑا لگا ہے، اُسے دیکھتے ہی ہنسے اور کہنے لگے کہ ہم تو اسے دریافت کر چکے۔ اب آپ کہو تمہارے مقصد میں کیا ہے؟"

انھوں نے کہا کہ "مہاراج! تم تو ہمیشہ سے ہمارے عقلِ کل ہو۔ اس کو بھی بتلا دو۔"

وہ بولے: بوجھیں لال بجھکڑ اور نہ بوجھیں کوئی
چاند پرانا ہو گیا مت دیمک کھایا ہوئے

۱۴۴

سنا ہے کہ ایک شخص کی جورو جتنی صورت میں بُری تھی اُتنی ہی سیرت میں بھلی۔ یاروں نے یہ بات ٹھہرائی کہ اُس کو کسی ترغیب سے اپنے طریق پر لائیے اور اُس عورت زشت رُو سے چھڑوائیے۔

حاصل کلام وہ سب اُس کو کسی فریب سے ایک باغ میں لے گئے اور ناچ دکھلانے لگے۔ بعد دو چار گھڑی کے کہنے لگے کہ "بھائی از برائے خدا اس وقت مان تو ہمارا کہا۔ اُس زشت رو سے ہاتھ اُٹھا اور ان عورتوں میں سے کسی پری پیکر پر دل لگا"۔

یہ بات سنتے ہی وہ ہنسا۔ کہنے لگا کہ حضرت سلامت! یہ شعر آپ نے نہیں سُنا۔

بیوہ نہ کرو اگرچہ ہو حور
سیدھی چلو راہ گرچہ ہو دور

۱۴۵

سُنا ہے کہ ایک جاڑے کے موسم میں ایک دن شیدی فولاد خاں صبح کو لال دوشالہ اوڑھے ہوئے محل سے نکلے اور اُس برآمدے پر جو کہ بر سرِ راہ تھا، اُسی پر جا بیٹھے۔ تسبیح ہاتھ میں تو لئے ہی تھے وظیفہ پڑھنے لگے کہ اتنے میں ایک آزاد آیا۔ آوازہ کسنے لگا کہ "کیوں کالے منہ کی گھگھی، کچھ واحد شاہد ہو یاروں سے بھی۔"

اگرچہ یہ بات خاں کو نہایت بُری معلوم ہوئی۔ پر صبح کا وقت کچھ نہ کہا بلکہ ایک روپیہ دے کر اُس کا منہ کالا کیا۔ اور اُس دوشالے کو اُتار کر ایک بڑے پٹے کا سبز اوڑھ لیا کہ اتنے میں ایک ویسا ہی اور آیا کہ جس نے یوں کہا کہ "کیوں میاں! ہرے کھیت کے کالے کوّے! کچھ فقیروں کے واسطے بھی ہے۔"

علیٰ ہذا القیاس یہ بھی سخن اُن کی طبیعت پر ناگوار گذرا۔ ذکر سے فرصت تو پائی نہ تھی اُس کو بھی ایک اٹھنی دی، اور اُس کو بھی اتار کر ایک نہ دو رومال شالی کا کانوں سے لپیٹ لیا کہ اتنے ایک اُس سے بھی تیز پہنچا اور کہنے لگا کہ "کیوں بنگالے کی مُنیاں! کچھ ہم کو بھی دلوا۔"

وہ اُن دونوں کے باعث سے غصہ میں تو بھرے ہی تھے۔ بے اختیار لوگوں کو بلا کر کہنے لگے کہ "تم اس کا منہ کالا کر کے تمام شہر میں تشہیر کرو کہ پھر ایسی حرکت کوئی نہ کرے۔"

جب وہ لوگ اُس کا منہ کالا کرنے لگے تب اُس نے کہا کہ "شیدی بابا! کہ اس فقیر کا آدھا منہ کالا کروانا کہ یہ بھی گنہگار معلوم ہو۔ نہیں تو اہلِ شہر گمان کریں گے کہ شیدی فولادخاں ہی جاتے ہیں۔"

یہ بات سُن کر وہ چپ رہے اور جو حکم کیا تھا اُس سے باز آئے۔ مثل مشہور ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔

۱۴۶

سنا ہے کہ ایک دن شیدی فولاد خاں مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر لال دروازے کی راہ سے نکلے اور اپنے گھر کی طرف چلے کہ اتنے میں ایک آزاد نے کہا کہ "کیوں لکھی بابا! کچھ فقیر کو بھی دیئے جا!"

یہ کلام بے وحدت اُس کی زبان سے سن کر خاں صاحب نے اپنے پیادوں سے کہا کہ "اسے خوب مارو!"

جونہیں وہ اُسے مارنے لگے وونہیں وہ پھر بولا "دیتا نہیں ہے تو تا پتا کیوں ہے؟ ابے یہ تیرا اغرا کب تک رہے گا؟"

یہ بات سنتے ہی وہ ہنسے اور دو روپے دلوا دیئے۔

تب تو وہ خوش ہوا، اور دعائیں دے دے کر کہنے لگا کہ "جیو غازی مرد کیوں نہ ہو!"

۱۴۷

سُنا ہے کہ ایک دن شیدی فولاد خاں ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دربار بادشاہی میں مجرا کرنے جاتے تھے کہ اتنے میں ایک آزاد دوچار ہوا، اور اُن کو سیہ فام سا ہودے میں بیٹھا دیکھ کر کہنے لگا کہ "کیوں ڈھاک کے کوئلے! کچھ توفیق فقیروں کے واسطے بھی ہے؟"

یہ بات سُن کر وہ آگ ہو گئے اور پیادوں سے کہہ کر اُس کو پٹوانے لگے۔

تب اُس نے کہا کہ "بابا! اگر ہماری لگی کو بجھا نہیں سکتا تو لوگوں سے کیوں مرواتا ہے۔"

حاصل کلام جب ایک روپیہ اُنھوں نے اُسے دیا تب اُس نے دعائیں دے کر یہ کہا کہ "اللہ کرے تو ہمیشہ اسی سونے رُوپے کی انگیٹھیوں میں لعل بنا پڑا پھرے!"

۱۴۸

سُنا ہے کہ ایک دن نواب سیف خاں بہادر ہاتھی پر سوار ہیئے۔ اپنے بیٹے کو خواصی میں بٹھلا کر بادشاہ کے مجرے کو چلے۔

راہ میں ایک آزاد نے جو اُن کو اسی طرح دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ "کیوں سیفی بابا ایک آدھ پیتا اس فقیر کو بھی دلوائے جا!"

یہ بات سن کر وہ چپ ہوئے۔ پر لڑکے نے اپنی جیب سے ایک اشرفی نکال کر اس فقیر کے حوالے کی۔

تب وہ خوش ہو کر بولا کہ "بھائی سیف تو پٹ پڑی پر بھیجے نے بڑی کاٹ کی۔

۱۴۹

سُنا ہے کہ عالمگیر بادشاہ جنّت آرامگاہ عید کے دن جمعہ مسجد میں نماز پڑھنے گئے اور اپنے ندیموں سے فرمانے لگے کہ آج فضلِ خدا سے میں سنّت و فرض دونوں ادا کروں گا. کیونکہ بعد نماز عید کے گدھے پر بھی چڑھنا سنّت ہے. پس حکم دیا جاتا ہے کہ ایک گدھا بھی بہ پالان زری و جواہر سے آراستہ ہو کر تیار رہے. جب میں نماز سے فراغت کروں گا تب اُس پر سوار ہو کر قلعہ کو جاؤں گا۔"

یہ ارشاد سلطانی سنتے ہی وہ تابع دار فرمان حضرت ظلِّ سبحانی گھبرائے اور انگلی تحیّر کی وندانِ تفکر سے کاٹنے لگے۔ اور آپس میں یہی کہتے تھے کہ "یہ بڑا ظلم ہے ایک تو یہ بادشاہ ہندوستان کا گدھے پر چڑھے اور دوسرے ہم رسوا ہوں۔ واہ رے عقل بادشاہ واہ واہ!"

اسی سوچ میں تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے انھیں میں سے کہا کہ "صاحبو! اس واردات کو نعمت خان عالی سے بھی ظاہر کرو! دیکھو تو وہ کیا کہتے ہیں۔"

غرض یہ بات سب نے پسند کی اور نعمت خان عالی سے یہ حقیقت بخوبی کہی۔ انھوں نے کہا کہ "اگر دس لاکھ رُپے مجھے دو تو میں ایک بات ابھی ایسی بادشاہ سے جا کر کہوں کہ وہ گدھے

پر نہ چڑھے بلکہ ہمیشہ کو باز رہے۔"

اُنھوں نے دس لاکھ روپے اُسی گھڑی توشے خانے میں خاں صاحب کے داخل کیے۔

جب بادشاہ نماز پڑھ چکے تب نعمت خاں منبع خردمنداں دو نذریں لے کر حضور پرنور میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ "اے دانشمند! آج یہ حرکت لایعنی خلافِ عادت طبیعت پر کیوں اٹھائی؟"

انھوں نے عرض کی کہ "خداوندا! ایک نذر تو موافق معمول کے ہے جو ہمیشہ عید و بقرعید کے دن حضورِ عالی میں گذرانتا ہوں۔ دوسری اس بات کی ہے کہ آج خداوند نے سنّتِ نبوی ادا کی ہے۔"

یہ بات سنتے ہی بادشاہ نے ارشاد کیا کہ اے مخزنِ عقل! سب سنتیں نبوی کب مجھ سے ادا ہوئی ہیں۔"

یہ بات سنتے ہی وہ ہنسے اور کہنے لگے کہ "جہاں پناہ! جہاں وہ سب باقی ہیں وہاں یہ بھی رہے۔ جب وہ سب ادا کر چکیے گا تب اس کو بھی ادا کیجیے گا تا کہ لوگوں پر بھی بخوبی معلوم ہو کہ آج بادشاہ نے سنّتِ رسولؐ ادا کی جو گدھے کی سواری ملی۔"

یہ لطیفہ جب ضمیرِ عالی پر منکشف ہوا تب مسکرائے اور گدھے کے چڑھنے سے باز رہے۔

۱۵۰

سُنا ہے کہ جس وقت راجہ رام نرائن کو نواب قاسم علی خاں نے گرفتار کیا، اور دو چار روز بھوکا پیاسا رکھ حکم ڈبوا دینے کا کیا، اُس وقت اُس نے اپنے قاتلوں سے کہا کہ مجھے پیاسا مت مارو۔ قدرے پانی بھی دو!"

یہ بات نواب نے سُن کر کہلا بھیجا کہ اگر سات لاکھ روپے دے تو ایک جام دو۔ اُس نے ایک دو لڑا موتیوں کا اتار دیا، اور پیالہ پانی کا لب تک پہنچا کر پھینکا اور یہ بیت پڑھ کر غرق ہو گیا۔

آزردہ رفت از لب تو تشنہ حسین ع
اے آب خاک شو کہ ترا آب رو نہ ماند

۱۵۱

سنا ہے کہ ایک دن شاہجہاں بادشاہ جنت آرامگاہ ممتاز محل کے ساتھ جاڑے کے موسم میں بستر راحت پر گلے میں باہیں ڈالے ہوئے مبارک محل میں سوتے تھے۔

عالم غفلت میں بیگم کا پاؤں بادشاہ پر جا پڑا۔

گھبرا کر کہنے لگے کہ "جانی! موت بہتر ہے یا جان کندنی"

بیگم نے کہا کہ "موت"

فرمایا کہ "وہ بھی پاؤں دھر دو!"

اس لطیفے سے وہ خوش ہوئی۔ پاؤں اٹھا کر لپٹ گئی۔

۱۵۲

سُنا ہے کہ ایک دن امیر خاں نے از راہِ چہل کے اپنی مجلس میں کسی شخص سے کہا کہ "آج صبح سے میری گردن درد کرتی ہے"
اُس نے کہا کہ "خداوندا شب کو کوئی پٹھا چڑھ گیا ہے۔ آپ سرہانے کے تکیے دھوپ میں رکھوا دیجئے۔ آرام ہو جائے گا"

۲۵۲

سنا ہے کہ اکبر بادشاہ نے لاڈ دکھیور کو اپنے شہر سے نکلوا دیا اور وہ بعد دو چار روز اسی شہر میں آئے اور بخوبی رہنے لگے۔

ایک دن دونوں اپنے اپنے تنبورے کاندھے پر دھرے ہوئے کسی طرف چلے جاتے تھے اور بادشاہ کی سواری اُدھر سے نکلی۔ وہ گھبرائے اور تاڑ کے درخت پر چڑھنے لگے بادشاہ نے کہا کہ "تم پھر میرے شہر میں آئے!"

اُنھوں نے عرض کی کہ "خداوند! ہم نے تو بہت سا سفر اِدھر اُدھر کا کیا۔ جہاں گئے وہاں خداوند ہی کا عمل دیکھا۔ اس واسطے اس "تاڑ" پر چڑھ ارادہ سرگ کا کیا ہے۔

بادشاہ اِس سخن سے خوش ہوا اور اُن کو سرفراز کیا۔

۲۵۳

سنا ہے کہ ایک بڑھئی اپنے شہر سے نکلا کسی ملک کو جانے لگا۔ راہ میں ایک جنگل عظیم دیکھ کر گھبرایا اور آسمان کی طرف سر کر کے کہنے لگا کہ "الٰہی! اگر اس صحرا سے شیر نکلے تو میں سوائے تیرے کس کی پناہ لوں؟"

یہ کہنا ہی تھا کہ اتنے میں ایک ببر نکلا اور اسے دبوچ ہی بیٹھا۔ جو ہیں چاہے کہ اس کا پیٹ پھاڑے اور لہو پی جائے ووہیں اُس نے کہا کہ "الٰہی! خوب ہوا جو اس شیر کے ہاتھ سے مارا پڑا۔ کل مرے کے تو عذاب سے چھوٹا!"

شیر نے کہا کہ "اے گشتۂ غم! کیا کل مرے سے بھی کم ہیں ہم؟"

اُس نے کہا کہ "حضرت! آپ تو ایک ہی دفعہ ماریں گے اور کھا جاویں گے۔ وہ ہمیشہ جلاوے گا اور تانس تانس کر مارے گا۔"

اُس نے کہا کہ "اگر تو مجھے کل مرے کو دکھاوے تو میں تجھے چھوڑ دوں۔"

اُس نے کہا کہ "آپ مجھ پر سے اُتریں تو میں ابھی دکھا دوں۔"

غرض وہ اُس پر سے سرکا۔ اُس نے کمر سے روکھانی بسولا نکالا اور کسی درخت

کی ڈال میں سوراخ کر کے میخ بنا اُس سے کہا کہ "صاحب! اب اسی کھڑکی سے جھانک کر کل سرا دیکھئے"

اُس نے اُس میں جوں ہی گردن ڈالی وہیں اُس نے اوپر وہ میخ ماری کہ بیان نہیں کیا جاتا

آخر کار اُس سے پوچھا کہ "کیوں صاحب! کل سرا دیکھا؟"

اُس نے کہا کہ "ہم پھنسے پر وہ نظر نہ پڑا"

اُس نے اپنے سر سے پگڑی اُتار کر کہا کہ "میں ہوں!"

یہ کہہ کر وہ چلتا ہو گیا۔

۱۵۴

سُنا ہے کہ ایک بیمار کسی حکیم کے گھر جاتا تھا۔

راہ میں ایک اور صاحبِ آزار کو دیکھ کر گھبرایا، اور اپنی دوا چھوڑ کر اُس کی خدمت کرنے لگا۔

کسی نے اُس سے کہا کہ "صاحب! تم نہ اُس کے جان نہ پہچان۔ کیوں اُس کی بیمارداری میں تم دُکھ اُٹھاتے ہو؟"

اُس نے کہا کہ "بھائی! بیماری کا دکھ بہت بُرا ہوتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ کوئی شخص بیمار پڑے اور اُس کی خبر لینے کو کوئی نہ ہو!"

اُس نے کہا کہ "استغفراللہ! یہ سب غلط ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ بھی ایک بہانہ ہے۔"

اُس نے کہا کہ "سچ ہے۔ یہ وہی مثل ہوئی جس کے نہ نکلے بِوائی۔ وہ کیا جانے پیر پرائی"

۱۵۵

سُنا ہے کہ ایک سپاہی کسی بنئے کے سَو دو سو روپے قرض رکھتا تھا اور اُس سپاہی کو اُس کا خاوند کسی لڑائی پر بھیجا چاہتا تھا۔

جوں ہیں یہ خبر اُس بنئے نے سُنی وہیں اپنی دوکان بڑھا کر دو چار آدمی لے کر اُس کی حویلی گھیر لی کہ اتنے میں وہ اپنے گھر سے ہتھیار لگائے ہوئے نکلا اور لڑائی پر جانے لگا۔

بنئے نے کہا کہ "میاں صاحب! رام رام تو لو اور اساڈا لیکھا بھور لکیے جاؤ"

اُس نے کہا کہ "بھائی! کچھ اندیشہ مت کر۔ میں فلانی لڑائی پر جاتا ہوں۔ وہاں جو لوٹ میں ہاتھ لگے گا سو تیرے بھی قرضے میں لگا دوں گا اور آپ بھی توانا ہوں گا۔"

بنیا اپنے جی میں کہنے لگا کہ "یہ تو ایک سے ہیں سو دو سو کو تو کیا منہ رکھتے ہیں جو مار دیں گے اگر آپ ہی مارے پڑیں گے۔ میرا پیسہ بھی مفت ڈوبا دیں گے۔ اُن سے مرنا بھی کچھ دور نہیں۔"

سپاہی کو یوں تو بنیا کچھ نہ کہہ سکا پر اس طرح سے کہنے لگا کہ "میاں جی! تم سپاہی ہو کہیں غصے میں آکر مارتے مارتے اور ہی طرف نکل جاؤ تو میں اپنا قرضہ کس سے لوں۔ نہ۔ رام جانے ہے میرے روپے میرے پلے کر دو تم جہاں چاہو وہاں جاؤ۔"

۱۵۶

سُنا ہے کہ ایک افیونی کسی افیونی کے پاس افیون کھانے گیا اور اس کی خوشامد کرنے لگا، اس امید پر کہ شاید خوش ہو کے تھوڑی بہت مجھ کو بھی افیون دے دے۔

اس امید پر اُس نے کہا کہ حضرت سلامت! قدرت تو جناب الٰہی میں سب طرح کی ہے۔ اگر اس وقت وہ آپ کی حویلی کو افیون کا ڈلا کردے تو کیا خوب ہو؟

یہ بات سُن کر وہ خوش ہوا اور کہنے لگا کہ میاں اس کو تو مقدور ہے پر میری ایسی قسمت کہاں؟

اُس نے کہا کہ "نہ صاحب! اپنے خالق سے ہرگز ناامید نہ ہوجیے۔ بھلا سنئے تو اگر وہ اپنا فضل کرے اور تمہاری حویلی ابھی افیون کردے تو مجھے اس میں سے کتنی دو؟"

وہ اپنے جی میں کہنے لگا کہ "شاید آج حق تعالیٰ اپنی مہربانی سے اس گھر کو افیون کرے گا اس کے کہنے سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ سمجھ کر کہنے لگا کہ "اے عزیز! میں کیا کہوں کہ وہ ہے کتنی۔ میری بھی ایک خوراک نہیں۔

آخرکار وہ وہاں سے اپنے گھر آیا۔

مثل ہے افیونی افیون کسے دے۔

۱۵۷

سنا ہے کہ ایک فقیر کامل سے ایک دھوبی ہمیشہ پوچھا کرتا تھا کہ حضرت سلامت!
آپ کی ڈاڑھی بڑی یا میرے گدھے کی دُم؟
وہ کہا کرتے تھے کہ "بھائی میں کل کہوں گا۔"
اسی گفتگو میں ایک مدت گذری۔
قضاء الٰہی کسی مہینے میں آٹھویں تاریخ کو منگل کے روز، وہ فقیر مرگیا۔ اور جنازہ اُس کا
اُسی کے کوچے سے نکلا۔
کثرت تو اُس کے تابوت کے ساتھ بہت سی تھی اور لوگ کلمہ پڑھتے چلے جاتے تھے
اس غل کو سُن کر وہ بھی اپنے گھر سے نکلا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ جنازہ کس کا ہے؟
کسی نے کہا کہ "فلانے شاہ صاحب کا۔"
یہ بات سنتے ہی وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ "واہ! روز مجھ سے وعدہ کرتے تھے کہ کل بتا دوں گا
سو تو نہ بتایا اور اب مرے تو آٹھویں کو منگل کے روز۔ کیا خوب یہی کمال رکھتے تھے۔
یہ بات سُن کر فقیر اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ "بھائی! آج خدا کے فضل سے میری ڈاڑھی

بڑی کیونکہ دنیا سے اس کو بے عزت اپنے ساتھ لے چلا۔ اور اب جس روز تو کہے اُس دن میں مروں۔"

یہ حالت دیکھ کر وہ دھوبی ڈرا اور کہنے لگا کہ "حضرت! تم جب چاہو تب مرو مقبول کبریا ہو۔"

اور وہ فقیر پھر مردہ ہو گیا۔

واہ جی واہ! کیا فقیر تھا، سبحان اللہ!

۱۵۸

سُنا ہے کہ ایک بڈھے کالیتھ کی جورو کسی جوان جولاہے پر عاشق ہوئی۔ اور اپنے گھر سے نکل کر جھٹ اُس کی جھونپڑی میں گھس گئی۔ اور اُس سے کہنے لگی کہ "اگر تو مجھے اُس کے حوالے نہ کرے گا تو میں تیری لونڈی ہو کر رہوں گی۔"

اُس نے کہا کہ "اگر اس کالیتھ سے میں جیت نکلوں تو تجھ کو اپنی بی بی کر کے رکھوں گا"

آخر کار رفتہ رفتہ یہ مقدمہ بادشاہ تک پہنچا۔ بادشاہ نے کالیتھ سے پوچھا کہ "تو کیا دعویٰ کرتا ہے؟"

اُس نے کہا کہ "خداوندا یہ میری جورو ہے۔ مجھ کو بوڑھا جان کے چھوڑے دیتی ہے۔"

پھر اُس عورت سے سوال کیا کہ "تو اس کا کیا جواب دیتی ہے؟"

اُس نے کہا کہ "میں اس جولاہے کی جورو ہوں، مجھے اس سے کیا؟"

اور جولاہے نے بھی اسی عورت کے موافق التماس کیا۔

بادشاہ نے اپنی دانائی سے معلوم کیا کہ یہ عورت ہی اپنی شرارت سے منکر ہوتی جاتی ہے۔ اس بات کو کسی ڈھب سے ظاہر کیا چاہیئے۔ چنانچہ اس عورت کو کہا کہ "تو اس

قلمدان میں تھوڑا سا پانی ڈال لا- اس مقدمے کو میں آپ ہی تحریر کروں گا۔

حاصل کلام وہ اس سگھڑائی سے اُس میں پانی ڈال لائی کہ بادشاہ بھی لوٹ گیا اور کہنے لگا کہ "اے کمبخت! جولاہے کی جورو کب اس طرح سے قلمدان درست کر جانتی ہے- چل جھک نہ مار! اپنے خاوند کے ساتھ ہو کر اپنے گھر جا!"

مثل مشہور ہے سُن ری نادان قسمت میں ہو بوڑھ تو پاوے کہاں جوان لڑ

۱۵۹

سنا ہے کہ ایک امیر کی بہن کا نام راحت تھا اور ایک عمدہ کی ہمشیر کا نام رنج۔

وہ امیر اور عمدہ دونوں آپس میں متفق ہو کر کسی طرف شکار کھیلنے چلے۔ راہ میں اُس امیر نے دیکھا کہ ایک کتا کسی کتیا سے پھنس رہا ہے

یہ حالت دیکھ کر اُس نے اُس عمدہ سے کہا کہ "اس وقت یہ کُتیا کس رنج میں مبتلا ہے؟"

اُس نے بھی اس امیر کی بات دریافت کر کے کہا کہ "بندہ پرور! تمہارے نزدیک وہ رنج ہے پر وہ تو اُس کو راحت جانتا ہے۔"

۱۶۰

سُنا ہے کہ ایک عمر رسیدہ نے ایک عورت سے ازراہِ ہنسی کے پوچھا کہ بد بلوا! تو مجھے اس کے معنی بتا۔ میں لینے چلی وہ دیتی تھی۔ وہ نہ دیتی تو میں لے آتی۔

یہ لطیفہ سُنتے ہی وہ مُسکرائی اور کہنے لگی کہ جھاڑو پڑے تیری ایسی بات پر۔ مجھ سے بھی اُڑتی ہے کیا خوب!

غرض وہ بھی اُس کا کلام سمجھی اور چپ ہو رہی!

۱۶۱

سنا ہے کہ ایک دن امیر خاں اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے کہ جو کوئی کاجل کی کوٹھری میں جاوے گا سو مقرر اپنا دامن سیاہ کرا وے گا۔"

ایک شخص بولا کہ "حضرت سلامت! جو شخص دانا ہوتا ہے سو اپنے اوپر کلنگ نہیں لگنے دیتا۔ حکم ہو تو میں جاؤں اور صاف چلا آؤں۔"

خاں صاحب نے کہا کہ "کیوں کر جاؤ گے؟"

اُس نے کہا کہ "میں جوتی نہیں لوں گا تب کیا ہو گا؟"

خاں صاحب یہ بات سن کر ہنسے اور کہنے لگے کہ تب جوتی کالی ہو گی۔"

۱۶۴

سُنا ہے کہ ایک شخص مسافر کہیں جاتا تھا کہ اتنے میں اسے ایک پہاڑِ عظیم نظر پڑا اور چار منزل تک وہ اُس کے سامنے ہی رہا اور شاید دس بیس منزل اور بھی رہتا۔

وہ مسافر اس پہاڑ کی طولانی اور کلانی دریافت کر کے جناب الٰہی میں دعا مانگنے لگا اور کہنے لگا کہ "الٰہی! اس پہاڑ کو سونے کا کر کے میرے تصرف میں کر دے!"

یہ دعا اُس کی جناب الٰہی میں مستجاب ہوئی اور پہاڑ سونے کا ہو کر اُس کے آگے رہا۔

اس واردات سے وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ "خدایا! جو تجھ سے کم مانگے سو اندھا ہو جاوے۔"

یہ بھی دعا اُس کی قبول ہوئی اور اندھا ہو گیا۔

جونہیں اندھا ہوا وونہیں کہنے لگا کہ "الٰہی! یہ کیا کیا حکم ہوا؟"

کہا کہ "جو تو نے کہا سو کیا۔"

اُس نے عرض کی کہ "میں نے تو کم مانگنے والے کو کہا تھا۔"

حکم ہوا کہ "تو نے ہی کم مانگا تھا۔ تو ہی اندھا ہوا۔"

۱۶۳

سُنا ہے کہ ایک شخص اپنے دل میں جانتے تھے کہ لڑکا میرا ہر ایک کارِ دنیوی میں یکتائے عصر ہے۔ اور تھوڑی بہت مہارت عربی و فارسی میں بھی رکھتا ہے۔ مگر علم مجلس سے تاحال آگاہ نہیں۔ پس لازم ہے کہ اس فن سے بھی واقف ہو۔

یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر اُنھوں نے وہ لڑکا ایک وکیل کشمیری کے سپرد کیا اور کہا کہ "مہربان! اس کو اپنے ساتھ رکھو اور تعلیم مجلسی شادی و غمی کی دو"۔

چنانچہ وہ لڑکا دو چار مہینے اُس کے ساتھ رہا اور طراری زبان اور گویائی فصیح اُس کی دریافت کیا گیا۔ –

اتفاقاً ایک دن اس وکیل کے آشنا کا لڑکا چھ سات برس کا مر گیا۔ اور وہ اس لڑکے کو ساتھ لے کر اس محفلِ ماتم میں گیا

بعد فاتحہ کے صاحبِ عزا سے کہنے لگا کہ "حضرت سلامت! فی الواقع شکستی کمر ہوئی اور بصارتِ چشم گئی۔ عصائے دستی ٹوٹا جو ایسا گلِ ناشگفتہ دستِ قضا نے لوٹا۔ درگاہِ کریم میں شکر کرو اور اندیشہ کسی بات کا نہ لاؤ، وہ خالقِ زمین و آسمان ہے اس کا

نعم البدل دے گا اور خانۂ تاریک تمہارا اپنی مہر سے روشن کرے گا۔"

یہ بات اُس لڑکے نے دریافت کی اور جانا کہ مجلسِ میت ہیں یوں ہیں کہتے ہیں
حاصل کلام ایک دن اس لڑکے کے باپ کے آشنا کا داماد بیس بائیس برس کے
سن وسال کا نہایت حسین وصاحبِ علم، دانائی میں لاثانی نوکتخدا بیٹے کی بیماری سے
مرا اور وہ کو دن اپنے باپ کی طرف سے اُس محفلِ عزا میں گیا۔ اور بعد فاتحہ کے کہنے لگا
کہ "قبلہ گاہی نے بندگی عرض کی ہے اور باعث عدم فرصت کے اس احقر کو بھیجا ہے
قبلہ وکعبہ یہ بجا ہے کہ شکستگیِ کمر ہوئی اور روشنیِ چشم گئی۔ عصائے دستی ٹوٹا۔ خدا سے کچھ
چارہ نہیں۔ لڑکی سلامت رہے۔ حق تعالیٰ دو چار ہی دن میں اُس کا نعم البدل دے گا۔
یہ بات سُن کر وہ کشتۂ غم کہنے لگا کہ "آپ کے کہنے سے معلوم ہوا۔ کچھ کہنے کی حاجت
نہیں۔"

۱۶۴

سُنا ہے کہ ایک چوبے نے کسی چوبے کی لڑکی سے شادی کی۔ اور وہ چوکے میں بیٹھی ہوئی اُس کو رسوئی پروس رہی تھی کہ اتنے میں اُن دونوں میں کسی بات پر تکرار پڑی۔

عورت نے کہا کہ "تم ایسے کہاں سے بڑے آئے ہو جو میں تم سے دبوں؟ رام جانے ہے کہ جو تم ہو سو میں ہوں"

اُس نے کہا کہ "اگر تو اپنے تئیں چوبے سمجھ کر میری برابری کرتی ہے تو میں چھبے ہو کر آؤں گا اور نہیں تو پھر کبھی تجھے اپنا منہ نہ دکھلاؤں گا"

یہ بات کہہ کر وہ جوہیں اپنے گھر سے نکلا وہیں ایک شخص نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ "دوبے جی! پالاگن"

یہ سخن سُن کر شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ "چھبے جاتی دو گھر ہوں گے"

۱۶۵

سُنا ہے کہ دو سپاہی زادے اپنے شہر میں بخوبی رہتے تھے اور ایک دلی کے باعث کسی کے ہاتھ نہ چڑھتے تھے بلکہ سو دو سو کا مقابلہ کر بیٹھتے تھے۔

ہر چند لوگوں نے چاہا کہ اُن کو گرفتار کریں یا کسی ڈھب سے ذلت دیں۔ وے اسی فکر میں مرتے تھے اور ڈھونڈا ہی کرتے تھے۔

اتفاقاً ایک عورت سے کسی شخص نے مصلحت کی کہ "بڑی بی اگر وے آپس میں لڑکر مارے پڑیں تو میں تجھے ہزار روپے خزانہ بادشاہی سے دلوا دوں۔

اُس نے کہا کہ "بیٹا! ابھی میں اُن کو مروا آتی ہوں"

چنانچہ وہ ایک لڑکی خوبصورت لے کر اُن کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ صاحبزادو یہ نازنین بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ قضاءِ الٰہی سے وہ موا۔ گھر ضبط ہوا۔ تم میں سے ایک جو چاہے تو اسے اپنا معشوق بنا وے"

آخر کار وے دونوں اُس پر عاشق ہوئے اور آپس میں لڑکر مر گئے۔

وہ اس لڑکی کو اپنے گھر لے آئی اور ہزار روپے کا توڑا بھی!

۱۲۶

سُنا ہے کہ ایک سپاہی نے اپنے نفر سے کہا کہ "بے! گھوڑا کس لا میں سوار ہوں گا
اُس نے کہا کہ "خداوندا! میں نہ کس سکوں گا۔ میرا ہونٹ دُکھتا ہے۔"
اُس نے کہا کہ "ہونٹ سے اور کسنے سے کیا نسبت؟"
بولا کہ "حضرت! جب تک میں ہونٹ نہیں دباتا تب تک تنگ نہیں کھنچتا۔"

۱۶۷

سُنا ہے کہ ایک عورت ساٹھ ستر برس کی تھی اور ہمیشہ کاجل مِسّی ہی بیہ مرا کرتی تھی آٹھوں وقت بناؤ سے سروکار اور تلاشِ دلدار جس کو تنک بھی جواں پاتی اُس کو آنکھوں ہی میں کھا جاتی۔ اُٹھتے نزاکت اور بیٹھتے ادا۔

یہ حالت دیکھ کر ایک شخص نے کہا کہ "بڑی بی! واہ واہ! تمھاری بھی وہی مثل ہوئی۔ بوڑھے چونچلے جنازے کے ساتھ!"

۱۶۸

سُنا ہے کہ ایک آزاد کسی مسجد میں بیٹھا ہوا بھنگ رگڑتا تھا۔
ایک حبشی نے اپنی کھڑکی سے دیکھ کر کہا کہ "اے بے وحدت! یہ خانۂ خدا ہے۔
یہاں سر جھکاتے ہیں اور ماتھا رگڑتے ہیں، تو سبزی گھونٹتا ہے!"
اُس نے سر اُٹھا کر کہا کہ "ذرا آئینہ دیکھ! انھیں خوشامدوں سے منہ کالا ہوا ہے"

۱۶۹

سُنا ہے کہ جس دن حضرت عالمگیرؒ بادشاہ جنت آرام گاہ تخت بادشاہی پر بیٹھے ڈاڑھی بڑی رکھتے تھے۔ اُسی روز دو چار گھڑی دن رہے۔ شملہ شالی سر پر باندھ، قبا سرخ کمخواب کی پہن، موزہ زری کا چڑھا۔ ایک تازی نقرہ پر سوار ہوئے۔ تن تنہا جامع مسجد کی طرف چل نکلے۔

اتفاقاً دو چار عورتیں کسی گلی میں کھڑی تھیں۔ جوں ہیں اُنھوں نے اس صورت سے جنابِ بادشاہی کو دیکھا تو ہنسیں اور کہنے لگیں کہ بیبیو! دِلّی نے بر پایا پر بوڑھا۔"

یہ سنتے ہی بادشاہ نے گھوڑے کی باگ لی۔ دو چار سونٹیں دے کر اُس تازی کو اُسی کوچے میں کُدانے لگے اس واسطے کہ وے جوان جانیں بوڑھا نہ سمجھیں۔

یہ حالت دیکھ کر کہنے لگیں "کیا خوب! ایک تو بوڑھا دوسرے مسخرا۔"

۱۶۰

سُنا ہے کہ ایک شخص نے کسی بمبئی کے طالب علم سے پوچھا کہ "بھائی اچار اور چار کے ہوتے ہیں؟"

اُس نے کہا کہ "خداوند! آٹھ روٹی!"

۱۷۱

سُنا ہے کہ ایک امراء جب دنیاداری کے کاروبار سے تنگ ہوا تب ترکِ لباس کر کے کسی جنگل میں جا کر بیٹھ رہا۔

خان و خوانین، امیر و آشنا، تو بہت سے رکھتا تھا۔ وہ بھی کبھی کبھی اُس کے پاس آکر حال پُرساں ہوتے تھے بلکہ کچھ کچھ ضروریات کی بھی خبر لیتے تھے۔

اور اُس نے یہاں تک سبکساری اپنے اوپر اختیار کی کہ سوائے ایک لنگوٹی کے کچھ چیز پہننے کی جسم پر باقی نہ رکھی۔ کدھی کدھی جو کچھ کھاتا تو اُس لنگوٹی ہی میں ہاتھ پونچھ کر پڑا رہا کرتا

اسی طرح دو چار مہینے گذر رہے۔ اقسام اقسام کے کھانے کھاتا تھا اور اسی سے ہاتھ پونچھتا تھا۔ غرض وہ نہایت مزیدار ہوئی۔

پھر تو چوہوں نے یہ معمول کیا کہ جب وہ سوتا تب ہر ایک چوہا اُسے آکر کھینچتا اور کوتر کوتر کر مزا اُٹھاتا۔ اسی کھینچا کھانچی میں صبح ہو جاتی۔ اسے ہرگز نیند نہ آتی

آخرکار ایک دن اُس نے اپنے کسی آشنا سے کہا کہ، صاحب! اس فقیری میں مجھے آرام نہیں ہوتا۔ کچھ اس کی تدبیر کیا چاہیئے۔

اُس نے کہا کہ "حضرت سلامت! ایک بلّی پالیئے اس کی دہشت سے وہ نہ آویں گے بلکہ جنگل سے بھی بھاگ جاویں گے۔ اور اُس کے واسطے ایک بکری جو وہ دودھ پلادے اور غرایا کرے اور اس کے واسطے ایک گھسیارہ جو گھاس لایا کرے"!

یہ بات سنتے ہی وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ "لاحول ولاقوۃ الا باللہ! ایک لنگوٹی کے واسطے پھر دنیا داری کا بکھیڑا اپنے سر پر لوں۔ بہتر ہے کہ اب اس سے بھی ہاتھ اٹھاؤں"۔

۱۷۲

سُنا ہے کہ ایک سپاہی کسی شہر سے بھوکا پیاسا تھکا ماندہ چلا آتا تھا۔

اتفاقاً شام کے وقت ایک سرا میں اُتر رہا اور مہترانی کو سیر بھر آٹا۔ پاؤ سوا پاؤ دال دلوا کر کہنے لگا کہ "بی بی! موٹی جھوٹی روٹی۔ بُری بھلی دال پکا دے تو میں کھا پی کر رات کی رات پڑ رہوں۔ صبح کو اپنے گھر کا رستہ پکڑوں۔"

اُس نے آٹا گوندھنے کی خاطر کٹھری میں ڈالا اور دال چڑھا کر یہ بات شروع کی کہ "میاں سپاہی! تم کچھ گپ شپ بھی جانتے ہو، تو کہو۔"

اس واسطے کہ وہ باتوں میں لگے تو وہ تھوڑا بہت آٹا اُڑا کر اپنا کام کرے۔ اور وہ بھی سمجھا کہ اس خندی نے طور تو اچھا پکڑا ہے جو خدا راست لا دے۔

یہ دریافت کر کے کہنے لگا کہ "بی بی! ایک مولی چالیس چھکڑے پر چڑھی تھی تس پر بھی آدھی گھسٹتی جاتی ہے۔"

اُس نے پوچھا کہ "کہاں؟"

وہ بولا کہ "بازار میں"

یہ اُدھر گئی۔ ادھر اُس کے خاوند نے آکر پوچھا کہ "میاں صاحب! بھٹیاری کہاں گئی؟"

اُس نے کہا کہ "اُس کو اُس کا یار پکڑ کر لے گیا۔"

یہ گھبرا کر اُس کی جستجو میں گیا کہ اتنے میں وہ آکر کہنے لگی کہ "مہتر کیا ہوا؟"

اُس نے کہا کہ "اُس کی آشنا اُسے لے گئی۔"

یہ پھر باہر نکلی کہ اتنے میں وہ دونوں آپس میں دوچار ہوئے اور جوتی بازی کرنے لگے، اُس نے اُس کے جھونٹے پکڑے اور اُس نے اُس کے فوتے۔ نہ وہ اُس سے سبب پوچھتی تھی نہ وہ اُس سے۔

آخر کار دو چار لوگوں نے آکر کہا کہ "تم جو آپس میں اس قدر لڑتے ہو اس کا کیا سبب ہے؟"

عورت نے کہا کہ "اس کو اس کی آشنا پکڑ لے گئی تھی مجھ سے میاں سپاہی کہتے تھے۔"

اُس نے کہا کہ "اس کو اس کا یار پکڑ لے گیا تھا۔ میں نے بھی انھیں سے سُنا ہے۔"

حاصل کلام جب یہ بات سپاہی کی واہیات معلوم ہوئی تب تو لوگوں نے کہا کہ "حضرت! یہ باعث کیا تھا؟"

اُس نے کہا کہ "بھائی کئی بار اس مہترانی نے مجھ سے کہا کہ "میاں کچھ گپ شپ ہانکو جو میں جانتا تھا سو اس عورت کی خاطر سے کہہ دیا۔ میرا اس میں کیا گناہ ہے؟"

۱۷۳

سُنا ہے کہ ایک دن دو چار شخص عمدہ کسی باغ میں گئے اور مے خمری کرنے لگے. کبھی کوئی کسی کو گلے لگاتا تھا اور کبھی کوئی پیالا پلاتا تھا.

اتفاقاً ایک مفلس بھی اس مجلس میں گیا اور قریب اُن کے جا کر بیٹھ رہا۔ اس امید پر کہ شاید یہ مجھے چشمِ رحم سے دیکھیں اور ایک آدھ پیالا دیں۔ پر اُنھوں نے ہرگز اس کی طرف نہ دیکھا، نہ بات کی تب وہ جل کر کباب ہو گیا اور کہنے لگا کہ ”یارو! میں بھی تو بندۂ خدا ہوں اس قدر غافل نہ ہو کچھ تو دو!“

یہ بات سنتے ہی ایک بولا کہ ”میاں! اس مثل کو تو نے نہیں سنا سادو چھے تجھے کون پوچھے!“

۱۷۴

سُنا ہے کہ ایک درویش حقیقت آگاہ معرفت دستگاہ، حرصِ دنیوی سے ہاتھ اٹھا کر کسی صحرا میں گیا اور دو درختوں کے درمیان میں بیٹھ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوا۔ کبھی کبھی جو بھوک لگتی تو انھیں درختوں پر منہ مارتا اور صبر کر کے چپ رہ جاتا۔ اسی صورت سے دو چار برس کا عرصہ کھنچا کہ وہ یادِ خدا ہی کیا کیا۔

اتفاقاً ایک دن کسی بادشاہ کی سواری اُس کی طرف سے نکلی، اور نظرِ شاہ اس پر پڑی۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا اور اپنے تخت سے اُتر کر اُس کے پاس گیا۔ اس امید پر کہ یہ فقیر اپنی نظر کو اُٹھاوے تو بہ نیاز مند مجرا کرے۔ پر وہ کب اس بات کی پروا کرتا تھا جو اُٹھاتا اور سلامِ شاہ لیتا۔

غرض دو چار گھڑی کا عرصہ گذرا۔ بادشاہ کو یہ حرکت درویش کی نہایت ناگوار معلوم ہوئی۔ غصے سے بھرا ہوا قلعے میں داخل ہوا اور اپنے ندیموں سے وہ واردات کہنے لگا۔ کسی نے عرض کی کہ ”جہاں پناہ! بی بی فریبو اس فن میں اُستاد ہے۔ اغلب ہے کہ وہ اس فقیر کو جُل دے اور شرمندہ کرے!“

حاصل کلام بادشاہ نے اُس کو بلا کر اپنا احوال ظاہر کیا۔ اس نے بھی بیڑہ اُٹھا کر اُدھر کا رستہ پکڑا۔ غرض گئی اور چھپی چھپی خدمت درویش کی کرنے لگی۔

ایک دن کیا دیکھتی ہے کہ وہ فقیر آنکھیں بند کیے ہوئے ہے اور بھوک کی جھنجلاہٹ سے اُن درختوں پر منہ مارتا ہے۔

یہ احوال دیکھ کر خوش ہوئی اور اس کو رجھانا شروع کیا، فقیر نے معلوم کیا کہ شاید جناب اقدس سے من وسلویٰ اُترتا ہے۔

ایک ہی اٹھوارے میں اُس کا روپ کچھ کا کچھ ہو گیا۔ عبادت میں خلل پڑا۔ دو دو روز بے نماز رہنے لگا۔

اور اس عورت نے ایک لڑکی چودہ پندرہ برس کی تھوڑی سی بوریوں کی چاردیواری بنا کر اس میں بٹھا دی اور کہا "بابا! جس صورت سے بنے اس کو اپنے اوپر فریفتہ کر!"

آخر کار کسی دن صبح کو وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت ساٹھ ستر برس کی درختوں میں جھاڑو دیتی ہے۔ یہ دیکھتے ہی کہنے لگا کہ "اے بڑھیا! تو کون ہے۔ جو یہاں جھاڑو دیتی ہے"

اُس نے کہا کہ "صاحب! میں مدت سے فقیر کی خدمت کرتی ہوں اور ایک حاجت رکھتی ہوں!"

اُس نے کہا کہ "وہ کیا حاجت ہے؟"

وہ بولی کہ "ایک لڑکی نہایت حسین رکھتی ہوں۔ امیدوار ہوں کہ دعا سے فقیر کی بیاہی جاوے۔"

فقیر بولا کہ "اُسے ہمارے پاس لے آ۔"

چنانچہ وہ اُس کے پاس لے گئی۔ اور اُس نے اُس کو اپنی خدمت میں رکھا

اور برس کے برس لڑکا ہونے لگا۔

جب تین چار لڑکے ہوئے تب بڑھیا نے کہا کہ اب تو اس جنگل میں میں نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ جو پونجی رکھتی تھی سو آپ پر تصدق کی جس سے بہتر یہ ہے کہ شہر میں چل کر رہیئے اور مانگ جانچ کر گذران کیجیے۔

غرض اس فقیر کو وہ اس جنگل سے لے چلی۔ آگے جورو ہوئی۔ پیچھے وہ بڑھیا ڈھول بجاتی چلی۔ وہ لڑکے کندھوں پر رہتے تھے۔ دو دہنے بائیں انگلیاں پکڑے غل مچاتے تھے کتّے اجنبی جان کر بھونکتے تھے۔ لوگ تماشا دیکھتے تھے۔

اسی طرح سے خراب وخستہ ذلیل ورسوا بادشاہ کے جھروکوں تک پہنچا اور خبر رساؤں نے حضور عالی تک خبر پہنچائی کہ جہاں پناہ! وہ مکار اسے خرابی سے محل تک لائی ؛

بادشاہ یہ خبر سنتے ہی برآمد ہوئے اور پوچھنے لگے کہ "اے فقیر وہ کیا ہوئی تیری بندگی اور پارسائی؟"

وہ بولا کہ "بابا! کیا پوچھتا ہے، وہ سب اس نفس نے خاک میں ملائی۔"

ڈاکٹر عبادت بریلوی

نے

انگلستان کے مختلف کتب خانوں میں جن نایاب کتابوں کو تلاش کر کے مرتب کیا اُن کی تفصیل درج ذیل ہے

(۱)

سیاحت نامہ

(اُردو کی پہلی ڈائری)

آخری تاجدارِ ہندوستان ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے سفیرِ خاص متعینہ انگلستان (۱۸۳۹ء-۱۸۴۲ء) کی نایاب ڈائری جس میں اُن کے سفر کی تفصیل اور قیامِ لندن کے حالات ہیں۔ انیسویں صدی کے انگلستان کے سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی حالات کی جیتی جاگتی تصویر!

(۲)

ہفت گلشن

فورٹ ولیم کالج کے مشہور مصنف مظہر علی خاں ولاؔ کی کتاب جس کا اب تک کسی کو علم نہیں تھا۔ موضوع اور اندازِ بیان کے اعتبار سے اُردو نثر کی اہم کتاب!

(۳)

مادھونل اور کام کنڈلا

مظہر علی خاں ولاؔ کی مشہور و معروف کہانی جس کے بارے میں یہ خیال عام تھا کہ ضائع ہو گئی۔ اسلوب کے اعتبار سے اُردو نثر کا ایک اہم شاہکار!

(۴)

گنجِ خوبی

میر امن دہلوی کی نایاب کتاب جو اُن کی باغ و بہار سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتی۔

(۵)

چہار گلشن

فورٹ ولیم کالج کے مصنف بینی نرائن جہاں کی دلچسپ کہانی جس کو اُن کا شاہکار سمجھنا چاہیے۔ اردو نثر کی دل کش اور حسین کتاب۔

(۶)

افسانۂ عشق

الٰہی بخش شوق اکبر آبادی کی کہانی جو فورٹ ولیم کالج سے باہر آگرے کی سرزمین پر ۱۸۰۵ء میں لکھی گئی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے آغاز سے قبل فورٹ ولیم کالج سے باہر بھی اُردو میں آسان اور سادہ نثر کی روایت موجود تھی۔

(۷)

دیوانِ افسوس

فورٹ ولیم کالج کے مشہور نثر نگار اور باغ اردو اور آرائش محفل کے نامور مؤلف میر شیر علی افسوس کا غیر مطبوعہ کلام۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ افسوس اعلیٰ درجے کے غزل گو شاعر بھی تھے۔

(۸)

مراثی جرأت

جرأت کے غیر مطبوعہ مراثی اور سلام کا مجموعہ جو اُردو مرثیہ نگاری کی روایت میں ایک بلند مقام رکھتا ہے

(۹)

داستانِ حسن و عشق

جرأت کی ایک غیر مطبوعہ عشقیہ مثنوی جو میر حسن کی مثنوی سحر البیان سے قبل کی تصنیف ہے۔ اس کا حسن معاملاتِ حسن و عشق کی اس تفصیل و جزئیات میں ہے جن کی تصویر کشی میں جرأت کو کمال حاصل ہے۔

یہ کتابیں کتابت اور طباعت کی منزلوں سے گذر رہی اور جلد ہی شائع ہوں گی۔

اُردو دنیا ۰ کراچی-۱

ڈاکٹر عبادت بریلوی

کی کتابیں

(۱)

تنقیدی زاویے

(۲)

اُردو تنقید کا ارتقا

(۳)

روایت کی اہمیت

(۴)

خطباتِ عبدالحق

(۵)

غزل اور مطالعہ غزل

(۶)

کلیاتِ میر

(۷)

تنقیدی تجربے

(۸)

جدید شاعری

(۹)

مومن اور مطالعہ مومن

(۱۰)

مقدماتِ عبدالحق

(۱۱)

انتخاب خطوط غالب

(۱۲)

شکنتلا

مؤلفۂ مرزا کاظم علی جوان

(۱۳)

شاعری اور شاعری کی تنقید

(۱۴)

میر تقی میر (زیر طبع)

(۱۵)

سحر البیان اور اُس کا تنقیدی جائزہ (زیر طبع)

(۱۶)

فورٹ ولیم کالج اور اُس کی ادبی خدمات (زیر طبع)

(۱۷)

ڈاکٹر جان گل کرسٹ (زیر طبع)

(۱۸)

غالب اور مطالعۂ غالب (زیر طبع)

(۱۹)

تنقید اور اصول تنقید (زیر طبع)

(۲۰)

جدید اُردو ادب

(۱۸۵۷-۱۹۶۴ء) (زیر طبع)

اُردو دنیا ۔ کراچی ۔۱

• شکنتلا

مہا کوی کالی داس کی شہرۂ آفاق ادبی تصنیف جس کی کہانی کو فورٹ ولیم کالج کے نامور ادیب مرزا کاظم علی جواں نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر اردو میں لکھا لیکن عرصے تک شائع نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اس کو مرتب کیا ہے، اور اب یہ نئی ترتیب، عالمانہ مقدمے اور مفصل حواشی کے ساتھ نہایت اہتمام سے شائع کی گئی ہے۔ (قیمت ۳ روپے)

• ہفت گلشن

فورٹ ولیم کالج کے مشہور مصنف مظہر علی خاں ولا کی تالیف، یہ کتاب بھی ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر اردو میں لکھی گئی تھی۔ لیکن کبھی شائع نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر عبادت نے اس کا قلمی نسخہ انگلستان میں تلاش کر کے مرتب کیا۔ اور اب یہ ایک مفصل مقدمے کے ساتھ خوبصورت ٹائپ میں دبیز کاغذ پر شائع ہوئی ہے۔ (قیمت ۴ روپے)

• مادھونل اور کام کندلا

مظہر علی خاں ولا کی تالیف جو فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر لکھی گئی لیکن شائع نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر عبادت کو اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزم میں ملا۔ اب یہ پہلی بار مفصل مقدمے اور حواشی کے ساتھ خوبصورت ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے دبیز کاغذ پر شائع کی گئی ہے۔ کہانی اور اسلوب دونوں اعتبار سے یہ نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ (قیمت ۵ روپے)

• سیاحت نامہ

آخری تاجدار ہندوستان ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے سفیر خاص متعینۂ انگلستان (۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۲ء) نواب کریم خاں کی نایاب ڈائری جس میں اُن کے سفر کی تفصیل اور قیام لندن کے حالات ہیں، اُنیسویں صدی کے انگلستان اور ہندوستان کے سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی حالات کی جیتی جاگتی تصویر — اردو نثر کی ایک اہم کتاب! ترتیب و مقدمہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ (زیر طبع)

اردو دنیا آرام باغ روڈ — کراچی